بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ
محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکرِ اسلام امام احمد رضا حنفی کے اصلاحی و تحقیقی افکار کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد: 31 شمارہ: 08

اگست ۲۰۱۱ء / شعبان المعظم / رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ

حُسنِ ترتیب

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل
25- جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔
فون: 92-21-32725150+ فیکس: 92-21-32732369+
ای میل: imamahmadraza@gmail.com
ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

ہدیہ فی شمارہ: 30 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/300 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/600 روپے
بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابل قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214-حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ﴿ادارہ﴾

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

اپنی بات: سنّی سرمایہ کاری کے امکانات اور اثرات

پروفیسر دلاور خاں

دنیا کا کوئی بھی معاشرہ ایسا نہیں جو سماجی اداروں سے خالی ہو۔ معاشرے کی تشکیل انھی کی مرہونِ منّت ہے۔ معاشرتی ضبط، نظریاتی تربیت، معاشی خوشحالی، انسانی تعلّقات کا فروغ اور عدل وانصاف میں ان کا کردار سنگِ میل کی حیثیت کا حامل ہے۔ ابتدا میں انسانی ضروریات محدود تھیں اس لیے سماجی اداروں کا کردار بھی محدود تھا، لیکن جیسے جیسے انسانی ضروریات اور معاشرے میں وسعت ہوتی گئی ویسے ہی ان اداروں کی ذمّے داریوں میں اضافہ، اور نئے نئے سماجی ادارے تشکیل پاتے گئے۔

ان اداروں میں مذہب بطورِ ادارہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود حضرتِ انسان۔ یہ مابعد الطبعیات مسائل کا حل، روحانی و اخلاقی تربیت سماجی ضبط افہام و تفہیم، اتحاد و یگانگت، تعلیم و تربیت، محتاجوں کی اعانت اور روز گار کے مواقع فراہم کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں ان کے مطلوبہ مقاصد و اہداف کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ایک مؤثر حکمتِ عملی بنائی جائے۔ واضح مقاصد، پالیسی اور وافر انسانی وسائل کی موجودگی کے باوجود سنّی، خانقاہیں مدارس، دارالعلوم، مساجد، سماجی و سیاسی تنظیمیں، اشاعتی اور تحقیقی اداروں میں سے معدودے چند کے سوا تمام ہی معاشی زبوں حالی کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ جو مطلوبہ مقاصد کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ صرف محدود ذرائع آمدنی مثلاً، چندہ، صدقات اور مخیر حضرات کے تعاون پر تکیہ کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے مالی ذرائع کی اہمیت سے کوئی بھی ذی شعور انسان انکار نہیں کر سکتا ہے، لیکن یہ بھی ایک روزِ روشن کی طرح حقیقت ہے ان میں مستقل استحکام نہیں پایا جاتا بلکہ اکثر و بیشتر نشیب و فراز کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ ایک طرف محدود مالی وسائل تو دوسری طرف ان میں عدم استحکام اس کیفیت کا صاف نتیجہ، خانقاہوں، مدارس، مساجد اور تنظیمات کی زبوں حالی کوئی عجوبہ واقعہ نہیں اس مالی زبوں حالی اور غیر یقینی حالت کا حل صرف شکوۂ شکایت، مرثیہ خوانی اور اپیلوں میں تلاش کرنا کارگر نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نئے ذرائع آمدنی کیسے پیدا کیے جائیں منصوبہ سازی اور اس کا طریقہ کار کیا ہو، جسے بروئے کار لا کر سنّی اداروں کو معاشی زبوں حالی سے نجات دلائی جائے؟ اس کا آسان جواب خود شناسی، خود اعتمادی اور خود انحصاری ہی میں منحصر ہے۔ غیر مستقل ذرائع آمدنی (چندہ و صدقات) کے ساتھ ساتھ دیگر مستقل مالی ذرائع تلاش کیے جائیں ہمارے پاس کسی حد تک غیر مستقل مالی ذرائع موجود ہیں، لیکن اس کی مثال اس مجاہد کی سی ہے جو ایک ٹانگ سے معذور ہونے کے باوجود اپنے جذبے اور خلوص کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود ہو۔ جبکہ مقابلۂ دشمن کے لیے ایک مجاہد کا اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح سنّی اداروں کے استحکام کے لیے اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہونا وقت کی پکار ہے۔ یعنی غیر مستقل ذرائع آمدنی کے حصول کے ساتھ ساتھ مستقل ذرائع آمدنی بھی تلاش کیے جائیں اس پر کاربند ہونا گویا خود شناسی سے خود انحصاری کی منزل کی طرف گامزن ہونا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق سنّی اداروں (مساجد، خانقاہوں، مدارس، دارالعلوم، مذہبی، سیاسی، فلاحی اور اشاعتی تنظیمات) کی تعداد وطنِ عزیز میں مجموعی طور پر تقریباً ایک لاکھ ہے۔ یہ ایک لاکھ ادارے اپنی معاشی پالیسی پر نظر ثانی فرمائیں اور اپنے موجودہ وسائل میں سے ۲۵ فیصد رقم سرمایہ کاری میں لگائیں اس مقصد کے علیحٰدہ ایک ذیلی ادارہ قائم کیا جائے جو مخلص اور دیانت دار افراد پر مشتمل ہو۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس شعبے میں سرمایہ کاری کی جائے جس میں سرمایہ بھی محفوظ ہو اور منافع کے امکانات واضح ہوں ایسے کئی شعبہ جات ہیں، جن میں سرمایہ کاری کے وسیع امکانات موجود ہوں اس کی ایک فہرست ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے تیار کی ہے۔ جس میں بطور مثال دو شعبہ جات ٹرانسپورٹ اور تعلیم ہیں۔ آپ کی نگاہوں سے اکثر ایسے اپیل کے اشتہارات گزرتے ہیں کہ مسجد، مدرسہ، خانقاہ یا دیگر ادارے کی تعمیر میں ۵۰ لاکھ روپے

صرف ہو چکے یا فلاں ادارے کا سالانہ خرچہ ۵۰ لاکھ روپے ہے۔ مزید چندے اور زرِ تعاون کی درخواست ہے ان ۵۰ لاکھ میں سے صرف ۱۲ لاکھ کی سرمایہ کاری ٹرانسپورٹ کے شعبے میں کروں ایک سی این جی رکشا کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپے ہے۔ اگر اس رکشا کو خرید کر کرایہ پر دیا جائے تو روزانہ کا کرایہ ۴۰۰ روپے ہے اس طرح ماہانہ ۱۲ ہزار روپے کرایہ موصول ہو گا۔ اسی طرح:

تین لاکھ کی سرمایہ کاری سے	ماہانہ ۲۴ ہزار روپے
ساڑھے چار لاکھ کی سرمایہ کاری سے	ماہانہ ۳۶ ہزار روپے
چھ لاکھ کی سرمایہ کاری سے	ماہانہ ۴۸ ہزار روپے
ساڑھے سات لاکھ کی سرمایہ کاری سے	ماہانہ ۶۰ ہزار روپے
نو لاکھ کی سرمایہ کاری سے	ماہانہ ۷۲ ہزار روپے
ساڑھے دس لاکھ کی سرمایہ کاری سے	ماہانہ ۸۴ ہزار روپے
بارہ لاکھ کی سرمایہ کاری سے	ماہانہ ۹۶ ہزار روپے علیٰ ہٰذالقیاس

آپ نے دیکھا کہ صرف تین لاکھ کی سرمایہ کاری سے ۲۴ ہزار روپے ماہانا منافع کمایا جاسکتا یہ اتنی بڑی رقم نہیں اگر تمام مساجد صرف دو رکشوں سے اپنی سرمایہ کاری کا آغاز کریں دیگر ذرائع سے آمدنی کے علاوہ ۲۴ ہزار روپے ماہانہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو گا اس طرح امام اور مؤذن کی تنخواہوں کے لیے ۲۴ ہزار کی رقم کافی اس سے ائمہ مساجد کی معاشی حالت بہتر ہو گی اور یکسوئی کے ساتھ دین کی خدمت کا فریضہ سرانجام دے سکیں گے۔ اسی طرح دیہاتوں میں ٹریکٹر کرائے پر دیے جاسکتے ہیں۔ وین اور بسوں کو بھی کرائے پر دے کر اچھا خاصا منافع حاصل کیا جاسکتا ہے، جائیداد کی خرید و فروخت سے منافع کمایا جاسکتا ہے اور اسکول پر سرمایہ کاری کر کے مستقل منافع حاصل کیا جاسکتا ہے۔

علیٰ ہٰذالقیاس اپنے علاقے کی ضروریات کو مدِّ نظر رکھ کر سرمایہ کاری کی جائے اس خود انحصاری کی بدولت مساجد، خانقاہوں، جامعات، مدارس، سماجی، سیاسی، فلاحی اور اشاعتی تنظیمیں آہستہ آہستہ خود اعتمادی اور مستقل مزاجی کے ساتھ معاشی بحران پر قابو پاکر مؤثر طریقے سے اپنا فریضہ سرانجام دے سکیں گی۔ اس سرمایہ کاری میں انسانی مسائل کی ضرورت یقینی ہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مشائخ اپنے مریدوں، علما اور تنظیمیں اپنے مخلص کارکنوں کو شامل کریں تاکہ ان کی معاشی کفالت بھی ہو سکے۔ ایک لاکھ سنّی ادارے اگر اوسطاً صرف دس افراد سے اپنی سرمایہ کاری کا آغاز کریں۔ تو دس لاکھ مریدوں، عقیدت مندوں اور بے روزگار سنّی کارکنوں کو روزگار فراہم کیا جاسکتا ہے۔

راقم کو قوی امید ہے کہ جب علما و مشائخ اپنے دستِ مبارک سے سنّی سرمایہ کاری کا آغاز فرمائیں گے تو اس میں ان کے روحانی تصرفات شامل ہوں گے ان کے فیضان اور نظرِ کرم سے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے اس سرمایہ کاری میں برکت اور استحکام عطا فرمائے گا۔ مشائخ کی معاشی کرامت کا ظہور ہو گا اس کرامت سے عالمِ اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جاسکے گا۔ علومِ دینیہ اور تصوّف کو فروغ حاصل ہو گا سنّیت اور حنفیت کا بھرپور انداز میں تحفظ ہو گا، مریدوں اور بے روزگار سنّیوں کی کفالت ہو گی۔ مذہبی اداروں کو معاشی استحکام حاصل ہو گا۔ اس طرح سنّی تنظیمیں اسلامی انقلاب کے ساتھ ساتھ معاشی انقلاب کی تاریخ میں سنہرا باب رقم کریں گی۔

آخر میں مفکرِ اسلام امامِ سوادِ اعظم اہلِ سنّت احمد رضا محدث حنفی کا یہ قول "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" سے نقل کرتا ہوں: "اہلِ رائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر و قصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان باتوں پر قائم کر دیں پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجیے۔ یہ خیال نہ کیجیے کہ ایک ہمارے کیے کیا ہوتا ہے یہ ایک نے یونہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا۔ بلکہ ہر شخص یہی تصور کرے کہ مجھی کو کرنا ہے یوں ان شاءاللہ تعالیٰ سب کر لیں گے، چند جگہ جاری تو کیجیے یوں خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے خدا نے چاہا تو عام ہو جائے گا۔ اس وقت آپ کو اس کی برکات نظر آئیں گی۔"

کاروانِ عشق کا سالار

پروفیسر سید عبدالرحمٰن بخاری، (مؤسس اُمّہ فاؤنڈیشن، لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ سید
المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین... اما بعد

اُمتِ مُسلمہ عہدِ زوال کی پستیوں میں اتر رہی ہے..... عالمِ اسلام کے ہر افق پر نکبت و ادبار کے منحوس سائے پھیل رہے ہیں..... کلیسا کے وارث صلیبی انتقام کے زہر میں بجھی تلواریں لیے ہر طرف بڑھ رہے ہیں..... دنیا کو حریت و انصاف کی منزلوں سے ہمکنار کرنے والے مسلمان خود غلامی کی شبِ دیجور کی دہلیز پہ قدم رکھ چکے ہیں..... برِّ صغیر مکمل طور پر برطانوی سامراج کے تسلط میں آچکا ہے..... اور مسلمانوں کے دینی، علمی اور تہذیبی چراغ کی لو مدھم پڑنے لگی ہے ..... یہ انیسویں صدی کے نصفِ آخر کا منظر ہے..... اور اس منظر کے سارے رنگ افسردگی، اضطراب اور یاس و قنوط میں ڈوبے ہیں..... پر، وہ دیکھو..... بریلی کی چھوٹی سی بستی میں اجالے کی ایک کرن پھوٹی ہے..... اور ماں باپ نے اس شعاعِ نور کو احمد رضا کا نام دیا ہے..... یہ ۱۸۵۶ء کا سال ہے..... اور میں اسے "تحریکِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ" کا جنم سال کہتا ہوں.....

لوگ کہتے ہیں..... اور سچ کہتے ہیں کہ..... یہ بچہ اپنی فطرت میں بہت سی غیر معمولی صلاحیتیں لے کر آیا ہے..... حافظے کی، تدبر کی، فراست کی ..... مگر میں سمجھتا ہوں کہ خدا نے اس بچے کو جو سب سے بڑی دولت بخشی ہے وہ اس کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ..... "میرا دل چیر کے دیکھو، اس میں نامِ محمد ﷺ لکھا ہے" اور باقی جو کچھ خدا نے اس بچے کو دیا ہے..... وقت نے ثابت کیا کہ..... "سب نامِ محمد ﷺ کی خاطر دیا ہے"..... احمد رضا کا خمیر عشقِ مصطفی ﷺ میں گندھا ہے..... اس کا پیکر اسی سانچے میں ڈھلا ہے..... اس کے وجود کا محور یہی ہے..... اس کے فکر کی منزل اور علم کا حاصل یہی ہے..... اس کا دین ایمان یہی ہے..... احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے خون میں عشقِ نبی ﷺ کی حدت ہے..... اس کی نبضوں میں ارتعاش اسی سے ہے..... اور جذبوں کا ارتکاز اسی پہ..... اس کی پیاس یہی ہے..... سیرابی یہ ہے..... درد یہی ..... شفا بھی یہ ہے..... اس کے رت جگے اسی عشق کے باعث..... اور ریاضتیں اسی خاطر ہیں..... اس کے آنسو اسی درد کی رم جھم ہیں..... اور تبسم اسی پیار کی خوشبو..... اس کے من کا گداز یہی ہے ..... اور اس کے قلم کی کاٹ اسی سے..... اس کے چہرے کی شادابی یہی ہے..... اور سانسوں کی مہکار اسی سے..... احمد رضا کا دل دھڑکے تو یہی نام ابھرتا ہے..... پلکیں اٹھیں تو یہی جلوہ ڈھونڈتی ہیں..... اور لب ہلیں تو یہی پکار گونجتی ہے.....

دہن میں زباں تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

یہ پکار..... زوالِ امّت کے اندھیروں میں ابدی اجالے کی نوید ہے..... دیکھو اس عہدِ انحطاط میں ہر آنکھ احیاءِ امّت کے خواب دیکھ رہی ہے..... ہر ذہن عروجِ اسلام کے منصوبے بنا رہا ہے..... ہر شخص بحالیِ ملت کے لئے کام کر رہا ہے..... کہیں علی گڑھ یونیورسٹی بن رہی ہے..... اور کہیں علی گڑھ یونیورسٹی بن رہی ہے..... اور کہیں دارالعلوم دیوبند..... کہیں خدمتِ دین کے ولولے ہیں..... اور کہیں تعمیرِ ملت کے زمزمے..... پر اس سارے ہجوم میں ایک آواز سب سے الگ تھلگ سنائی دے رہی ہے..... اور اہل ایمان کی سانسوں میں اتر رہی ہے.....

کروں تیرے نام پہ جاں فدا ، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا ، کروں کیا کروڑں جہاں نہیں

بظاہر یہ تنہا ایک شخص کی پکار ہے..... مگر ذرا گوشِ دل سے سُنیے تو..... ساری کائنات اس کی ہم نوا ہے..... یہ نغمۂ ہندی ہے..... پر اس کی لے حجازی ہے..... اس کا آہنگ بشری ہے..... پر اس میں روح قرآنی ہے..... یہ صدا سوزِ دل سے اٹھی ہے..... اور صحرائے حیات پر چھاگئی ہے..... یہ تاریخ کے سب سے نازک لمحے میں ابھری

ہے..... اور روحِ عصر کی اجتماعی پکار بن گئی ہے..... دیکھو یہ وقت کا کون سالمحہ ہے..... جب عالم یہ ہے کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک معاصر حکیم مشرق علامہ اقبال کے الفاظ میں.....

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

اور جس عشق کی آگ حکیم مشرق کو بجھی ہوئی محسوس ہو رہی ہے..... وہ عشق کونسا ہے..... خود اقبال ہی کے الفاظ ہیں.....

عصرِ ما، مارا ز ما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفی ﷺ بیگانہ کرد

جمالِ مصطفی ﷺ سے اہلِ ایمان کو بیگانہ کرنے کی سازش کہاں سے پھوٹی.....اور کیسے پروان چڑھی، یہ عالم آشکار ہے..... میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام دشمن قوتیں جب تاریخ کے مختلف ادوار میں دینِ حق کو مٹانے کے لئے اپنے سب حربے آزما چکیں..... لیکن اسلام مٹنے کی بجائے مزید ابھر تا گیا..... سکڑنے کی بجائے اور پھیلتا گیا.....دبنے کی بجائے سب پر حاوی ہو تا گیا..... دیکھو مدعیانِ نبوت ابھرے اور دم توڑ گئے..... مرتدین بھاگے اور مٹ گئے یالوٹ آئے..... سبائی، فتنے لے کر اٹھے اور خود بھی فتنوں سمیت معدوم ہو گئے..... خارجی بگڑے اور لڑ لڑ کر ختم ہو گئے.....یورپ کے صلیبی لشکر ناچتے ہوئے آئے اور صدیوں تک آتے رہے..... لیکن مجاہدینِ اسلام کے گھوڑوں کی اُڑائی ہوئی گرد میں ڈوب گئے..... تاتاری صحرائے گوبی سے اٹھے اور آندھی بگولے کی طرح ہر سو چھا گئے..... مگر جب اہلِ اسلام کی کھوپڑیوں کے مینار بنا چکے..... تو ایک دم پلٹے..... اور سب کے سب حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر کعبہ کی دہلیز پہ جھک گئے..... پھر اسی اقبال سے سنیے.....

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

تاریخ کے یہ سب ادوار جب دشمن دیکھ اور بھگت چکا..... تو اس نے فیصلہ کیا کہ اب اپنے ترکش کا آخری تیر چلا دینا چاہیے..... اور یہ تیر کون سا تھا..... اس کا رمز شناس بھی احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا ہم عصر اقبال ہے..... وہ ہمیں ابلیس کا اپنے فرزندوں کے نام سب سے بڑا حکم سنوا رہا ہے.....

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

اور پھر شیطان کی ذریت اس آخری مشن کی تکمیل میں لگ گئی..... اس مشن کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو اس کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں..... دورِ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے برطانوی جاسوس ہمفرے کے اعترافات پڑھ لو.....پھر احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر چند مولویوں کی کتابیں اٹھاؤ..... ورق پلٹو..... اور دیکھو کہ ان میں کیسی کیسی دریدہ دہنی کی گئی ہے.....معاذاللہ! نقلِ کفر کفر نباشد۔ کوئی خدا کے محبوب ﷺ کو اپنے جیسا بتا رہا ہے..... حالانکہ خود محبوبِ خدا ﷺ نے فرمایا: ایکم مثلی.....کون ہے تم میں مجھ جیسا.....کوئی کہتا ہے معاذاللہ آپ ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے..... حالانکہ آپ ﷺ خود فرماتے ہیں: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء.....یعنی خدا نے مٹی پر انبیاء کے جسموں کو نقصان پہنچانا حرام کر دیا ہے..... کوئی بولتا ہے تو رسولِ خدا ﷺ کے علم کو معاذاللہ جانوروں کے علم ایسا ٹھہراتا ہے..... حالانکہ خدا اپنے محبوب کے علم ناپیدا کنار کی وسعت یوں آشکار کرتا ہے..... عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہٖ احدا الا من ار تضیٰ من رسول.....یعنی خدا کے پاس علمِ غیب ہے اور وہ اپنے غیب کا علم کسی کو تفویض نہیں کرتا سوائے اپنے اس برگزیدہ رسول ﷺ کے جس کی رضا وہ چاہتا ہے.....کوئی اور آگے بڑھتا ہے تو دین میں رسولِ خدا ﷺ کے اختیار کی نفی کرتا ہے..... حالانکہ خدا کا اپنا کلام ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کر رہا ہے کہ..... یحل لھم الطیبٰت و یحرم علیھم الخبائث.....یعنی رسول ﷺ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے اور خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں.....اور ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا.....یعنی جو کچھ تمہیں رسول دے دیں اسے لے لو اور جس سے وہ روک دیں اس سے رک جاؤ..... کیا دین اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے..... ہر گز نہیں.....

میں تو بس دین کا مفہوم یہی سمجھا ہوں
اپنے ہر کام میں آقا ﷺ کی رضا کو دیکھو

یہ ابلیسی ترکش کے وہ چند تیر تھے جن کا ہدف ناموسِ رسالت ہے..... پر احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ان تیروں کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں..... وہ بدزبان مولویوں کو للکار کر کہتے ہیں.....

"خدا کے لئے میرے آقا ﷺ کی توہین کرنا چھوڑ دو، اور ان کی جگہ مجھے گالیاں دیتے رہو"..... میرا احساس یہ ہے کہ ادھر ابلیس نے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا..... اور ادھر مشیتِ الٰہی نے احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کو عشقِ رسول ﷺ کا پیکر بنا کر سامنے کھڑا کر دیا..... احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ تیری خوش نصیبی پر زمانہ ناز کرے گا..... خدا نے جس کام کے لئے تجھے چنا ہے اس سے بڑا کوئی کام اس دھرتی کے سینے پر کسی امتی سے ممکن نہیں.....تو گستاخانِ رسول ﷺ کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلوار ہے..... تُو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا نقیب ہے ..... اور ناموسِ رسالت کا پاسباں..... تُو اٹھا تو امتِ مسلمہ کو نئی اٹھان ملی..... تُو چلا تو سارا زمانہ تیری راہ پر چلا..... تُو نے دنیا کو وفا کا درس دیا..... اپنے آقا ﷺ سے وفا کا درس..... تُو نے شعورِ دیں بانٹا..... تیرا شعورِ دیں یہ ہے.....

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

یہ شعورِ دیں پھیلا.....تو گستاخانِ رسول جان ہارنے لگے..... کہیں علم الدین شہید غازی بن کر اٹھا..... کہیں مرید حسین اور عبدالقیوم.....شاتتِ رسول ﷺ کی وہ تحریک جو کلمہ گو مولویوں کی جسارت سے کفار میں پھیل رہی تھی..... دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ گئی..... امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کا پیغام برصغیر کی پوری فضا میں گونج رہا تھا.....اور شمعِ رسالت کے پروانوں کو گرما رہا تھا..... اس حرارتِ ایمانی کے فیض سے جگہ جگہ پروانے اپنے آقا ﷺ کی ناموس پر جان نچھاور کر رہے تھے..... ایک طرف جانثاری کے یہ حسین منظر ہیں..... اور دوسری جانب علم و عرفان کی وادیوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے گلزار مہکنے لگے ہیں..... کہیں فروغِ سیرت کا مشن برپا ہے..... شاہ عبدالعلیم صدیقی کو جانیے..... کہیں تفسیرِ قرآن کے جواہر بکھر رہے ہیں..... نعیم الدین مراد آبادی کو دیکھیے..... کہیں احکامِ شریعت کی بہار اپنا جوبن دکھا رہی ہے..... امجد علی اعظمی..... کو پڑھیے..... اور کہیں محبتِ رسول ﷺ کا بیکراں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے..... حکیم مشرق علامہ اقبال کی پکار سنیے.....

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے

مجھے تو عشقِ رسول ﷺ کی ان سب موجوں میں ایک ہی برقی رو نظر آتی ہے..... اور اس برقی رو کا سرا احمد رضا کے سینے سے ابھر رہا ہے..... یہ وہ سینہ ہے جس میں گدازِ عشق کی بجلیاں بھری ہیں..... اور وہ ان بجلیوں کی حرارت ہر سو بانٹ رہا ہے..... کبھی "کنزالایمان" کی صورت..... کبھی "الدولة المکیة" کے روپ میں..... کبھی "فتاوٰی رضویہ" کے رنگ میں ..... اور کبھی "حدائقِ بخشش" کے آہنگ میں ..... کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دنیا کے گوشے گوشے میں جہاں بھی کوئی اپنے آقا ﷺ کو یاد کرتا ہے..... اور ان کی بارگاہ میں ہدیۂ درود و سلام نچھاور کرتا ہے.....احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کے لہجے سے ہمکنار ہو جاتا ہے..... احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے آقا ﷺ کے حضور کچھ ایسے جذبوں کا نذرانہ پیش کیا ہے کہ..... آج بحر و بر، دشت و جبل میں ہر سو اس کی گونج سنائی دے رہی ہے.....

مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مجھے یقین ہے کہ امام احمد رضا رحمتہ اللہ کا یہ سلام کچھ اس شان سے مقبول ہوا کہ اسے محبتِ رسول ﷺ کا عالمگیر تحفہ بنا دیا گیا ہے ..... اب جو بھی چاہتا ہے کہ اسے بارگہِ رسول ﷺ میں پزیرائی ملے..... وہ اپنی دھڑکنوں میں احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کے جذبے سمو لیتا ہے..... اور اپنی زبان پر احمد رضا کے شعر سجا لیتا ہے.....

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ھدیٰ مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم

یہ ہے اس احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی ایک جھلک جسے دنیا "امامِ اہلسنت" کہتی..... اور "اعلیٰ حضرت" کے لقب سے یاد کرتی ہے..... جو علم و فکر کے ہر میدان میں یکتا ہے..... اور بیان و اظہار کے ہر اسلوب پر حاوی..... جو فہم و ادراک کے ہر گوشے میں سب پر فائق ہے..... اور جذبہ و احساس کی ہر منزل میں سب سے آگے..... جس کا وجود ہمارے لئے عزم و ہمت کا استعارہ ہے.....اور جس کی شخصیت ہمارے لئے رہنمائی کا خزانہ..... جس کا باطن عشقِ رسول ﷺ سے معمور ہے..... اور جس کا ظاہر اُسوۂ رسول ﷺ سے پرنور.....لوگ اسے اپنے عہد کا مجدد کہتے ہیں..... اور میں اسے آنے والے ہر دور کے لئے اپنے "رسول ﷺ کا معجزہ" سمجھتا ہوں.....لوگ اسے "فاضل بریلوی" پکارتے ہے.....اور میں اسے "آیتِ الٰہی" دیکھتا ہوں..... لوگ اسے فقیہ و عالم ٹھہراتے

ہیں.....اور میں اسے "فہمِ دین میں حجت" گردانتا ہوں..... اور صرف اس لئے گردانتا ہوں کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فہمِ دین کی اساس عشقِ رسول ﷺ پر اٹھائی ہے..... اور تعبیر شریعت کا محور نسبتِ مصطفی ﷺ کو بنایا ہے..... اور یہی خدا کی منشا ہے..... سارے قرآن کا جوہر یہی ہے..... اور علم و عرفان کا حاصل یہی.....

مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص عالم بن ہی نہیں سکتا جب تک اس کے علم کا ہر نقطہ ذاتِ رسول ﷺ کا طواف نہ کرے..... اور سچ یہ ہے کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی عالم ہیں..... میرے نزدیک تجدیدِ دین صرف اس کا نام ہے کہ دین کی ہر تعبیر نسبتِ رسول ﷺ سے جوڑ دی جائے..... اور حق یہ ہے کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی مجدد ہیں..... میرا ایمان یہ ہے کہ صاحبِ عمل صرف وہی ہے جس کا ہر عمل محبتِ رسول ﷺ کا آئینہ دار ہو..... اور واقعہ یہ ہے کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا عمل ایسا ہی ہے..... میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ خدا کے ہاں قرب و رضا کے سب درجے ان کے لئے ہیں جو تعظیم رسول ﷺ میں بڑھتے جائیں..... اور کون اس بات کا انکار کر سکتا ہے کہ امام احمد رضا کی پوری زندگی تعظیم رسول ﷺ کی پاسداری میں گزری..... میرا احساس یہ ہے کہ دنیا میں پائیدار صرف ایسے ہی لوگوں کا نام ہے جو ذکرِ مصطفی ﷺ کا فیض لٹاتے ہیں ..... اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ جب تک جیے اپنی زبان و قلم سے یہی کام کرتے رہے..... اور اب ان کا آستانہ یہی سوغات بانٹتا رہے گا.....

تاریخ اسلام کو جتنے بھی ادوار یہ بانٹا جائے..... اس کا آخری دور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا..... اور اب یہ دور رہتی دنیا تک جتنا بھی طویل ہو گا..... ہمیشہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا دور رہے گا..... یہ دور تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کا دور ہے..... اور احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اس کا نقیب..... یہ دور فروغِ سیرت کا دور ہے..... اور احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اس کا علمبردار..... یہ دور تحریکِ عشقِ مصطفی ﷺ کا دور ہے..... اور احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کا کارواں سالار..... اب رہتی دنیا یہ تحریک پھیلتی رہے گی..... اور احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اس کا سرخیل و سالار رہے گا..... خود انہی کے الفاظ میں ذرا تصرف کے ساتھ.....

ملکِ وفا کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو، سکے بٹھا دیے ہیں

اُمہّ فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام عالمی سطح پر فروغِ عشقِ مصطفی ﷺ کا مشن "عالمی تحریکِ سیرت" کے نام سے شروع کیا گیا ہے..... اور اس تحریک کا ایک گوشہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و پیغام کے لئے وقف ہے.....

آخر میں جسم و جان کی سب توانائیوں کے ساتھ ہدیہ تشکر و امتنان، سجدۂ اخلاص و عبدیت اور نذرانۂ حمد و ثنا ربِّ ذوالجلال کے حضور پیش ہے جس کی توفیق و رہبری کے بغیر کوئی قدم اٹھ سکتا ہے نہ کوئی کام پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے ....اور اس کے بعد قلب و روح کی انتہائی گہرائیوں سے پھوٹنے والا جذبہ عجز و نیاز اور ارمغانِ درود و سلام اس جلوہ نور کبریا، مخزن جود و عطا، رحمتِ ہر دو سرا، شافعِ روزِ جزا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کی بارگہِ بے کس پناہ میں بصد ادب و احترام نذر ہے، جن کے چراغِ ہدایت سے جہل و نا آگہی کی ظلمت ہمیشہ گریزپا، جن کی عطائے رحمت سے رہتی دنیا کل عالم فیضاب اور جن کے چشمۂ عرفان و حکمت سے ہر دور میں تشنگانِ علم و معرفت سیر اب ہوتے رہیں گے۔

وصل اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہٖ
وصحبہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

✡ ✡ ✡ ✡ ✡

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری "صدر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا"
فرماتے ہیں:

"امام احمد رضا جامع العلوم تھے۔ فقیہ بھی تھے، محدث بھی، ادیب بھی تھے شاعر بھی، سائنسدان بھی تھے مدبر اور سیاست داں بھی، علوم نقلیہ کے شناور بھی اور علوم عقلیہ کے غواص بھی، غرض کہ وہ کیا نہیں تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھے۔ ان کا علم، علم لدنی تھا، ان کی زبان، زبانِ حق ترجمان، ان کی تحریر فراستِ مومن کی آئینہ دار ان کی شخصیت اپنے تمام ہم عصروں بلکہ مابعد والوں پر بھی بھاری، ان کی نسبتِ طریق قادری جس میں شریعت کی ہر طرح پاسداری اور ہر مشرب کے پیر طریقت کے لیے مثالی اور اہلِ طریقت کے لیے اس میں کامل رہنمائی و استواری ہے۔"

(سالنامہ معارفِ رضا ۲۰۰۷ء، ص ۱۱)

ماہِ رمضان اور اُسوۂ مصطفی ﷺ

افاداتِ: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی

ترتیب و تسہیل: پروفیسر سید عبد الرحمٰن بخاری (مؤسس اُمّہ فاؤنڈیشن، لاہور)

نسبتِ مصطفی ﷺ:

حضور سیّدِ عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس تمام فضائل و کمالات کا سر چشمہ ہے۔ آپ ﷺ کو یہ کمالات اللہ تعالیٰ نے براہِ راست عطا فرمائے ہیں۔ کسی دوسری چیز کے ذریعے آپ ﷺ کو شرف حاصل نہیں ہوا، بلکہ دوسری تمام مخلوقات نے آپ ﷺ سے شرف پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت سے نوازتا ہے تاکہ اس کو فضیلت دے جیسا کہ آپ ﷺ کی ولادت پاک کے لیے ماہِ رمضان کی بجائے ربیع الاول کو اور جمعہ کی بجائے سوموار کے دن کو اور کعبہ کی بجائے آپ ﷺ کی جائے ولادت کو مشرف فرمایا۔ پس ہر فضیلت، ہر اچھائی، ہر خوبی، ہر کمال اور ہر شرف سیّدِ عالم حضرت محمد مصطفی ﷺ کی عطا سے ہے۔ رب دینے والا اور حبیب ﷺ تقسیم کرنے والے ہیں۔ ہر بھلائی، ہر نعمت، ہر مراد روزِ اوّل سے رہتی دنیا اور ابد الاباد تک جس کو ملی، ملتی ہے یا ملے گی سب حضورِ اقدس ﷺ کے دستِ اقدس اور خوانِ نعمت کا صدقہ ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے ذریعے کوئی نعمت، کوئی مراد کسی کو ملی، نہ کبھی ملے گی۔ خدا نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے اور فضیلتیں ساری آپ ﷺ کے صدقے اتارتا ہے اور آپ ﷺ کے ذریعے بانٹتا ہے۔ ماہِ رمضان کی سب فضیلتیں، سب برکتیں آپ ﷺ کا صدقہ اور فیضان ہے۔ (فتاویٰ ۳ /۲۰۸، ۲۴۷)

ہلال رمضان

☆ ۲۹ شعبان کو غروبِ آفتاب کے بعد ہلالِ رمضان کی تلاش فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ تلاش کریں اور وہ ایسے ہوں جو شرعاً معتبر ہیں تو سب کی طرف سے فرض ادا ہو گیا۔ لیکن کوئی بھی تلاش نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے اور ہلالِ رمضان کی تلاش فرض اس لئے کی گئی ہے کہ یہ فرض (روزہ) تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ (فتاویٰ ۱۰/ ۴۵۰)

☆ جونہی چاند پر نظر پڑے فوراً جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ ایسے لوگوں کو دکھا دیں جن کی گواہی کافی ہو۔ خاص کر ایسے حالات میں جبکہ مطلع صاف نہ ہو اور دفعتاً ابر ہٹنے سے چاند نظر آئے تو فوراً جلدی کر کے ایسے قابل اعتماد مسلمان کو دکھا دے جن کی گواہیاں کفایت کر جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے امور میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ پھر چاند دیکھنا تو شرعی ذمّے داری ہے اور ایسا معاملہ ہے جس میں گواہوں کی کثرت بہر حال بہتر ہے۔ (فتاویٰ ۱۰/ ۴۵۷)

☆ جن لوگوں کو چاند نظر آئے ان پر لازم ہے کہ گواہی دینے میں تاخیر نہ کریں تاکہ چاند کے بارے میں صحیح فیصلہ ہو سکے۔ جو شخص بلا عذر گواہی دینے میں تاخیر کرے اور بعد میں کہے کہ میں نے چاند دیکھا تھا اب اس کی گواہی مردود ہو گی۔ (فتاویٰ ۱۰/ ۴۵۶)

☆ حضور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں چاند دیکھنے کے جو آداب ملتے ہیں ان کو پوری طرح ملحوظ رکھیں اور ان پر عمل کریں۔ مثلاً یہ کہ چاند دیکھ کر اس کی طرف اشارہ نہ کریں ایسا کرنا جاہلیت کے طریقوں میں سے ہے اور چاند دیکھنے کے بعد منہ پھیر کر مسنون دعا مانگیں۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو اپنا منہ اس کی طرف سے ہٹا کر دعا مانگتے۔ (ابوداؤد ۲۰/ ۳۳۹)

☆ احادیثِ طیبہ میں رویتِ ہلال کی بہت سی دعائیں آئی ہیں۔ چند دعائیں یہاں پیش کی جا رہی ہیں:

۱۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذَا الشَّهْرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الْقَدْرِ مِنْ شَرِّ يَوْمِ

الْمَحْشَرِ۔ (مسند امام احمد۔۵/ ۳۲۹) یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس مہینے کی خیر مانگتا ہوں اور شرّ تقدیر اور شرّ قیامت سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۲۔ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالسَّلَامِ وَالسَّكِيْنَةِ وَالْعَافِيَةِ وَالرِّزْقِ الْحَسَنِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى ' رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللهُ۔ (ترمذی، ابن حبان، عمل الیوم اللیۃ) یعنی اے اللہ اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی اور امن والا بنادے۔ ہم پر سکون، عافیت اور رزق حسن اتار اور اس چیز کی توفیق دے جس میں تیری پسند اور رضا ہو۔ اے چاند میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے۔

۳۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذَا الشَّهْرِ وَخَيْرِ الْقَدْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ۔ (معجم کبیر ۴/ ۲۷۶) یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس مہینے کی اور تقدیر کی خیر مانگتا ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۴۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذَا الشَّهْرِ وَنُوْرِهٖ وَهُدَاهُ وَطُهُوْرِهٖ وَمُعَافَاتِهٖ۔ (عمل الیوم اللیۃ) یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس ماہ کی خیر، اس کا نور، اس کی برکت، اس کی ہدایت، اس کی طہارت اور عافیت مانگتا ہوں۔

۵۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا خَيْرَهٗ وَ نَصْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَفَتْحَهٗ وَ نُوْرَهٗ وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَ شَرِّ مَا بَعْدَهٗ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/ ۳۳۹) یعنی اے اللہ ہمیں اس ماہ کی خیر، اس کی مدد، برکت، رحمت، اس کی فتح اور نور عطا فرما اور ہم اس کے شر سے اور اس کے مابعد کے شر سے تیری پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

۶۔ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ۔ (سنن ابی داؤد ۲/۳۳۹) یعنی اے رشد و بھلائی کے چاند میں تیرے پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتا ہوں۔

☆ جب رمضان یا عید کا چاند نظر آنے کا شرعی ثبوت مل جائے اور سرکاری طور پر باقاعدہ اس کا اعلان ہو جائے تو اب عوام شہروں اور محلوں میں خوشی منانے کے لیے آتش بازی اور ہوائی فائر وغیرہ کرسکتے ہیں۔ عام طور پر آتش بازی وغیرہ اس لیے ناجائز ہے کہ اس میں مال ضائع ہوتا ہے جبکہ یہاں ایک اچھے کام اور نیّتِ صالحہ کے ساتھ ایسا کیا جارہا ہے لہٰذا مستحسن فعل ہے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۴۵۷)

ماہ رمضان کے معمولات

اعمالِ صالحہ:

☆ رمضان المبارک میں ہر نیک عمل کا ثواب باقی مہینوں کے عمل سے کہیں زیادہ ہے۔ ماہِ رمضان میں نفل ادا کرنا دوسرے مہینوں میں فرض ادا کرنے کے برابر اور اس ماہِ مبارک میں ایک فرض ادا کرنا دیگر مہینوں کے ستّر فرائض جتنا اجر و ثواب رکھتا ہے۔ اور خدا کا فضل و کرم تو اس سے بھی زیادہ وسیع اور بڑھ کر ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان کی نسبت ارشاد فرمایا: من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادی فریضة فیھما سواہ ومن ادی فیه فریضة کان کمن ادی سبعین فریضة فیما سواہ۔ (صحیح ابن خزیمہ، ۳/ ۱۹۱) یعنی جس آدمی نے رمضان میں کوئی محتسب عمل انجام دیا وہ نیکی اور اجر و ثواب کے لحاظ سے اس شخص کے برابر ہے جس نے کسی اور مہینے میں فرض ادا کیا ہے اور جس آدمی نے رمضان میں ایک فرض ادا کیا وہ اس کے علاوہ کسی مہینے میں ستر فرائض ادا کرنے والے شخص کے برابر فضیلت اور ثواب کا مستحق ہے۔

☆ رمضان شریف زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کا مہینہ ہے۔ اعمالِ صالحہ در حقیقت خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور رضائے الٰہی کا حصول بندے کا منتہائے مقصود ہے۔ پس جہاں تک ممکن ہو اس مہینے میں اعمالِ صالحہ کی کثرت کرنی چاہیے۔ (فتاوٰی ۸/ ۵۱۷ و دیگر مقامات)

مستحبات:

ماہِ رمضان میں زیادہ سے زیادہ مستحب اعمال بجالانے کی کوشش کریں۔ اوقاتِ فاضلہ میں اعمالِ صالحہ کی کثرت قطعاً مطلوب و مندوب ہے۔ مستحب اعمال کثرتِ ثواب کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور ان کے ذریعے سنن، واجبات اور فرائض کی شان بڑھتی ہے۔ چنانچہ مستحبات اکمال سنن کے لیے ہیں۔ سنتیں اکمال واجب کے لیے، واجبات اکمال فرائض کے لیے اور فرائض اکمال ایمان کے لیے۔ یوں مستحبات شرعاً اعمالِ مقصودہ قرار پاتے ہیں۔ اور اس ماہِ مبارک میں تو ویسے بھی ہر مستحب عمل کا ثواب فرض کے برابر ہو جاتا ہے۔ (فتاوٰی ۱/ ۷۰۶)

تہجد:

تہجد بہترین عبادت ہے۔ حضورِ پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: علیکم بقیام اللیل فانه داب الصالحین قبلکم و قربة

الی اللہ تعالیٰ و منھاۃ عن الاثم وتکفیر للسیئات و مطردۃ للداء عن الجسد۔(ترمذی ۲/ ۱۹۴) یعنی تہجد کو اپنا معمول بنالو کہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی عادت ہے یہ قربِ الٰہی کا ذریعہ، گناہوں کا کفارہ اور جسم کی بیماریاں دور کرنے والا عمل ہے۔ رمضان میں شب بیداری آسان ہوتی ہے اس لیے تہجد کی نماز فوت نہیں ہونی چاہیے۔ تاہم ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ایسا نہ ہو آدمی رات بھر جاگ کر عبادت کرتا رہے اور صبح فجر کی نماز جماعت کے بغیر اکیلے پڑھ کر سوجائے۔ یاد رکھیے کہ عشا اور فجر کی نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھنا پوری رات جاگنے کے برابر ہے اور ترکِ جماعت بہت بڑی محرومی ہے۔ ایک بار ماہِ رمضان میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو حثمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے سلیمان رضی اللہ عنہ کو جماعتِ صبح میں نہ پایا۔ آپ ان کے گھر گئے تو وہ آرام کررہے تھے۔ والدۂ سلیمان حضرت شفا رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ دونوں رات بھر نماز میں مشغول رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ پھر انہوں نے نماز فجر ادا کی اور سوگئے۔ اس پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لان اشھد الصبح فی جماعۃ احب الی من قیام لیلۃ۔(مصنف عبد الرزاق ۱/ ۵۲۶) یعنی جماعت کے ساتھ نمازِ فجر ادا کرنا مجھے ساری رات کے قیام سے زیادہ محبوب ہے۔

اشراق:

صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے اس سے بچیں اور اس دوران ذکرِ الٰہی میں مشغول رہیں اور سورج نکلنے کے بعد اشراق کے نوافل پڑھیں۔ پھر ہو سکے تو ایک پہر دن چڑھے نمازِ چاشت ادا کریں اور اس کے بعد کچھ دیر قیلولہ کریں۔ (فتاویٰ ۱/ ۴۴۵/۷،۳۲)

قیلولہ:

قیلولہ سنّت ہے اور ماہِ رمضان میں شب بیداری کے باعث عام طور پر لوگوں کا معمول بن جاتا ہے۔ لیکن قیلولہ ایسے تنگ وقت میں نہیں ہونا چاہیے کہ ظہر کی جماعت کا وقت نزدیک ہو کہ مبادا جماعت سے محروم ہو جائے۔ اولیائے کرام قدس سرھم نے قیلولہ کے لیے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز و تلاوت نہیں۔ یعنی ضحوۂ کبریٰ سے نصف النہار تک۔ وہ فرماتے ہیں: چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر قیلولہ بہتر ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہیے کہ زوال سے پہلے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر استواء کے وقت، جو ابتدائے ظہر ہے، ذکر و تلاوت میں مشغول ہو۔ قیلولہ کبھی کبھی تکیہ و بستر کے بغیر بھی ہونا چاہیے کہ مسنون ہے۔ (فتاویٰ ۷/ ۸۸،۸۷)

دوامِ وضو:

ہر وقت باوضو رہنے کی عادت ڈالیں۔ خاص کر اس ماہِ مبارک کی برکتیں سمیٹنے کے لیے ذکر و تلاوت و عبادت میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور اس کے لیے دوامِ وضو درکار ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وضو اکثر عبادات کا جزو، شرط یا وسیلہ ہے بلکہ فی نفسہٖ بھی ایک نوع مقصودیت سے حظ رکھتا ہے۔ یعنی بذاتِ خود ایک عبادتِ مقصودہ ہے۔ اسی لیے ائمہ دین کا اجماع ہے کہ ہر وقت باوضو رہنا اور جب بھی وضو ٹوٹے فوراً نیا وضو کرنا مستحب ہے۔ بلکہ امام محمد بن ابی بکر نے شرعۃ الاسلام میں ہر دم باوضو رہنے کو اسلام کی سنّتوں میں سے بتایا ہے اور امام فقیہ ابو اللیث نے یہ روایت بیان کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "اے موسیٰ! اگر بے وضو ہونے کی حالت میں تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو خود اپنے آپ کو ملامت کرنا۔" بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہمیشہ باوضو رہے اللہ تعالیٰ اسے سات فضیلتیں عطا فرماتا ہے:

۱۔ اس کے اعضاو جوارح تسبیحِ الٰہی میں مشغول رہیں۔
۲۔ قلم اس کی نیکیاں لکھتا رہے۔
۳۔ اسے ملائکہ کی ہم نشینی میسر آئے۔
۴۔ جب سوئے تو فرشتے جن و انس کے شر سے اس کی حفاظت کریں۔
۵۔ اس سے باجماعت نماز کی تکبیرِ اولیٰ فوت نہ ہو۔
۶۔ سکراتِ موت اس پر آسان ہو۔
۷۔ جب تک باوضو ہو اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں رہے۔ (فتاویٰ ۷۰۲/۱،۷۰۳)

باجماعت نماز:

ہر نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ جماعت سنّتِ موکدہ یا واجب ہے۔ اس میں کوتاہی عام حالات میں بھی بہت بڑی محرومی ہے چہ جائیکہ ماہِ رمضان کی خاص فضیلتیں آدمی ضائع کردے۔ جماعت کے

ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب ایسی فضیلت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو باوجود عذر کے اسے چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ (مجمع الفوائد ۲/ ۴۳)

☆ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص شرعاً معذور ہی کیوں نہ ہو اگر وہ نماز باجماعت کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے مسجد میں حاضر ہو کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے۔ فضیلتِ جماعت حاضری کے بغیر حاصل نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ ۷/ ۷۰، ۷۲)

☆ باقی رہا بغیر عذر کے جماعت چھوڑنا تو اس پر سخت ہولناک وعیدیں آئی ہیں جماعتِ عشا میں حاضر نہ ہونے والوں کے گھر جلانے کا قصد فرمانا صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدیث سے ثابت ہے اور ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے بارے میں فرمایا: لوترکتم سنة نبیکم لکفرتم (ابو داؤد ۸۱/۱) (فتاویٰ ۸۱/۷) یعنی اگر تم نے اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت ترک کردی تو تم نے کفر کیا۔

دعا:

بندے کو چاہیے کہ نمازِ پنج گانہ، عیدین، تہجد، ذکر، تلاوت اور روزہ ہر عبادت کے بعد خشوع و خضوع سے دعا مانگے اور بارگاہِ الٰہی میں اپنی حاجات پیش کرے۔ قرآن و سنّت اور اجماع امّت کی رو سے دعا اعظم مندوباتِ دینیہ و اجل مطلوباتِ شرعیہ (یعنی دین کے پسندیدہ اعمال میں سب سے بڑھ کر) ہے۔ نیز قبولیتِ دعا کے اوقات اور احوال کی تلاش و جستجو مسنون اور محبوب عمل ہے۔ حضورِ پرنور سرور عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشادِ گرامی ہے: ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات فتعر ضوا له لعله ان یصیبکم نفحه منها فلا تشقون بعدها ابدا۔ (معجم کبیر ۱۹/ ۲۳۴) یعنی بے شک تمہارے رب کے لئے تمہارے زمانے کے دنوں میں کچھ خاص اوقات جود و کرم اور عطا و بخشش کے ہیں، انہیں ڈھونڈو اور پانے کی تدبیر کرو، ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی وقت تمہیں مل جائے تو پھر کبھی بد بختی تمہارے پاس نہ آئے۔ لطف و کرم کے ان خاص لمحات کو ویسے تو ہر دن اور ہر مہینے میں ڈھونڈنا چاہیے لیکن اس مہینے میں تو خاص اہتمام کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ ۸/ ۵۲۲)

توبہ:

توبہ ہر حال میں لازم ہے۔ جب بھی آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو اسے چاہیے کہ فوراً توبہ کرے۔ پوشیدہ گناہوں سے توبہ پوشیدہ اور اعلانیہ گناہوں سے توبہ بھی اعلانیہ ہونی چاہیے۔ زبان سے توبہ کا لفظ بولنا ضروری ہے نہ کافی، بلکہ جو برائی سرزد ہوئی ہے اس پر دل سے ندامت اور اس سے نفرت و اظہارِ برأت درکار ہے۔ (فتاویٰ ۱۳/ ۶۴۹)

☆ توبہ سچے دل سے ہو تو قبول ہوتی ہے اور توبہ کرنے والا شخص گناہ سے ایسا پاک ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔ (فتاویٰ ۶۱۲/۱۴)

☆ توبہ کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں رمضان کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کے لیے بندے کو چاہیے سب سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جب تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرو۔ اگر گناہ پوشیدہ ہے تو اس سے توبہ بھی پوشیدہ طور پر کرو اور اگر گناہ علانیہ ہے تو اس سے توبہ بھی اعلانیہ کی جائے۔" (کنز العمال ۸/ ۱۰۔ معجم الکبیر ۲۰/ ۱۵۹)

سجدۂ شکر:

بندے کو اپنے رب کا سب سے زیادہ قرب سجدے میں ہوتا ہے اور سجدے چار قسم کے ہیں۔ سجدۂ نماز، سجدۂ تلاوت، سجدۂ سہو اور سجدہ شکر۔ سجدۂ شکر سنّتِ مستحبہ ہے۔ غزوۂ بدر میں جس وقت ابو جہل کا سر کاٹ کر لایا گیا تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدۂ شکر کے مواقع بے شمار ہیں۔ بندے کو چاہیے کہ سجدوں کی کثرت کرے خاص کر اس ماہِ مبارک میں تو ہر عمل کا ثواب کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ (ملفوظات ۱/ ۸۸)

ذکرِ الٰہی:

زندگی کے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دوام اختیار کرو اور خاص کر اس ماہِ مبارک میں جس قدر ممکن ہو کثرت سے خدا کا ذکر کرتے رہو۔ قرآن و حدیث میں ذکرِ الٰہی کی فضیلت کے دلائل حد شمار سے باہر ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یا ایها الذین اٰمنوا اذکروا الله ذکرا کثیرا۔ اے ایمان والو! کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت کا منشایہ ہے کہ تمام اوقات اور احوال میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے: فاذکروا الله قیاما وقعودا وعلی جنوبکم۔ یعنی اللہ کا ذکر کرتے رہو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور اپنی کروٹوں پر۔

حضور سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اسوۂ مبارک حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہانے ایک حدیث میں یوں بیان کیا ہے: کان رسول اللہ ﷺ یذکر اللہ تعالیٰ علی کل احیانہ۔ (ابو داؤد ۱/ ۴) یعنی حضورِ پر نور سیّدِ عالم ﷺ ہر وقت خدا کا ذکر کرتے رہتے۔ اور اہلِ ایمان کو آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ: لا یزال لسانك رطبا من ذکر اللہ۔ یعنی ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں اپنی زبان کو تر رکھو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اکثری من ذکر اللہ فانك لاتاتین بشئی احب الیہ من کثرۃ ذکرہ۔ (در منثور ۵/ ۲۰۵) یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو کہ تم کوئی ایسی چیز نہ لا سکو گی جو خدا کو اپنے ذکر کی کثرت سے زیادہ پیاری ہو۔ (فتاوٰی ۸/ ۷، ۵۳۲، ۵۳۲)

درودِ پاک:

حضور سرورِ کونین ﷺ کی ذاتِ گرامی پر خود اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو بھی آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں درود و سلام کے نذرانے پیش کرنے کا حکم دیا۔ درودِ پاک ایمان کی پہچان، محبت کا نشان اور نجات کا سامان ہے۔ جو شخص درودِ پاک پڑھنے سے گریز کرے وہ بہت ہی محروم ہے۔ ایک حدیثِ پاک میں آیا ہے: "جو شخص نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سنے، پڑھے یا بولے اور درود نہ بھیجے اس سے زیادہ بخیل اور کوئی نہیں۔" اس لیے ماہِ رمضان میں جتنا زیادہ سے زیادہ وقت ممکن ہو اپنے آقا و مولا حضور سیّدِ عالم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں درود و سلام پیش کرتے رہیں۔

خصوصی اذکار:

قارئینِ محترم! اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اہلِ ایمان کے لیے صبح و شام اور مختلف اوقات میں پڑھنے کی خاطر خاص دعائیں، تسبیحات اور اذکار و اوراد تجویز فرمائے ہیں۔ جو آپ کے اپنے معمولات میں شامل رہے۔ ماہِ رمضان کی بابرکت سعادتوں میں ان خصوصی اذکار اور دعاؤں کا اہتمام اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ تاہم طوالت کے خوف سے یہاں ان خصوصی اذکار کا بیان ممکن نہیں۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ "الوظیفہ الکریمہ"۔

لایعنی کاموں سے گریز: (مرتب)

ماہِ رمضان بڑا ہی برکتوں والا مہینہ ہے۔ یہ وقت بہت قیمتی ہے اسے لایعنی اور عبث کاموں میں ضائع نہ کریں۔ عبث اور لایعنی کام وہ ہے جو از روئے شرع یا عقل بندے کے لیے کسی قسم کا کوئی دنیوی یا اخروی فائدہ نہ رکھتا ہو۔ انسان یوں تو ہر وقت کسی نہ کسی ذہنی یا جسمانی شغل میں مصروف ہوتا ہے، مگر یہ مصروفیت اگر دینی یا دنیوی ہر لحاظ سے بے فائدہ ہو تو بندہ سراسر گھاٹے میں رہتا ہے۔ پھر ماہِ رمضان کے انتہائی قیمتی اوقات بندہ یونہی عبث اور لایعنی کاموں میں ضائع کیوں کرے۔ ہاں اگر کسی وقت تکان ہو تو آدمی ترویحِ قلب کے لیے کوئی جائز تفریح کر سکتا ہے تاکہ دین میں سختی محسوس نہ ہو۔ حضورِ اکرم ﷺ نے مباح لہو کی اجازت فرمادی ہے اور یہ لہو بعض اوقات منافیِ کمال نہیں ہوتا، جیسا کہ امام ابنِ حجر مکی نے اور علامہ عبد الغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں تصریح فرمائی ہے۔ (فتاوٰی ۱/ ۷۴۲)

قضا نمازیں:

قضا نمازیں جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہیں۔ نہ معلوم کس وقت موت آجائے۔ اور جب تک فرض آدمی کے ذمّے باقی رہتا ہے، کوئی نفل قبول نہیں کیا جاتا۔ اس لیے قضا نمازیں ادا کرنے میں بندہ کاہلی نہ کرے اور ماہِ رمضان اس کے لیے بہترین وقت ہے۔ عبادت کا ماحول بن جاتا ہے اور آسانی سے آدمی اپنی قضا نمازیں پوری کر سکتا ہے۔ (ملفوظات ۱/ ۷۰)

بعض لوگوں نے قضاءِ عمری ادا کرنے کا ایک خاص طریقہ گھڑ لیا ہے کہ ماہِ رمضان کے آخری جمعہ کو امام فجر سے عشا تک بجھر نمازیں پڑھائے۔ اس سے تمام لوگوں کی عمر بھر کی قضا ادا ہو جائے گی۔ یہ قضائے عمری کی جماعت جاہلوں کی ایجاد اور محض ناجائز و باطل ہے۔ اسوۂ محبوب ﷺ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ (فتاوٰی ۷/ ۵۲، ۴۱۸)

گناہوں سے اجتناب:

روزہ دار کو چاہیے حتیٰ الامکان گناہوں سے بچے کیونکہ گناہوں کے ارتکاب سے روزے کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں عمداً کوتاہی کرنا جرم ہے۔ جھوٹ بولنا، قطعِ رحمی یعنی رشتوں کو توڑنا اور کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔ ان سے بچنا چاہیے۔ کبائر کی فہرست بہت طویل ہے اور صغائر پر اصرار سے وہ بھی کبائر بن جاتے ہیں۔ گناہوں کی نحوست انسان کی نیکیوں اور عبادات پر اثر انداز ہوتی ہے۔

جلد سو جایئے:

نمازِ عشا کے بعد دنیاوی گفتگو ممنوع ہے۔ اگر کوئی ضروری کام یا

مشغولیت نہ ہو تو رات کو جلدی سو جانا چاہیے تا کہ نماز تہجد کے لیے بیدار ہو سکیں۔ ماہِ رمضان میں تو سحری کے لیے بھی اٹھنا ہوتا ہے، لہٰذا عشا کے بعد اپنے معمولات سے فارغ ہو کر جلدی سو جانا بہتر ہے۔

نوافل:

ماہِ رمضان میں اکثر لوگ نوافل باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ نفل باجماعت ادا تو ہو جاتے ہیں لیکن نفلوں کی جماعت کے لیے لوگوں کو بلانا اور دعوت دینا شرعاً درست نہیں ہے۔

شبینہ:

بعض جگہ رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبینے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شبینے میں باجماعت نوافل کے اندر ایک یا زیادہ راتوں میں قرآنِ پاک ختم کیا جاتا ہے۔ شبینہ فی نفسہٖ قطعاً جائز اور پسندیدہ عمل ہے۔ اکابر ائمۂ دین کا معمول رہا ہے۔ لوگوں کو سستی اور ملال سے بچانے کے لیے ختمِ قرآن کی اصل مدت تین دن رکھی گئی ہے ورنہ جو لوگ ذوق و شوق اور قدرت و نشاط رکھتے ہوں انہیں ایک شب میں ختمِ قرآن کی ممانعت کیونکر ہو سکتی ہے۔ سلف صالحین میں سے بعض اکابر دن رات میں ایک یا دوبار ختم کرتے۔ سیدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تیس برس کامل ہر رات کو نماز کی ایک رکعت میں پورا قرآنِ مجید ختم کیا۔(ردالمختار ۱/ ۶۲) اور امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عمل ہمارے لیے قابل تقلید حجت ہے۔ پس ماہِ رمضان میں شبینے کا اہتمام ایک پسندیدہ عمل ہے۔(فتاویٰ ۷/ ۴۲۵، ۴۷۷)

نمازِ تراویح:

تراویح ماہِ رمضان کی خصوصی عبادت ہے۔ یہ نماز میں پورا قرآنِ حکیم سننے کا بہترین موقع ہے۔ تراویح سنّتِ مؤکدہ ہے اور اس کی تعداد بیس رکعت ہے۔ حضور سیّدِ عالم ﷺ نے تین شب تراویح میں امامت فرمائی اور پھر اس خیال سے ترک فرمادی کہ آپ ﷺ کی مداومت سے امت پر فرض ہو جائے گی، جیسا کہ صحاح ستہ کی روایات سے ظاہر ہے۔ پھر امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جماعتِ تراویح کا اجرا فرمایا اور عامہ صحابہ کرام اس پر مجتمع ہوئے تو یہ سنّتِ مؤکدہ ثابت ہوئی۔ کیونکہ خلفائے راشدین نے اس پر دوام فرمایا۔ اور خلفاءِ راشدین کی سنّت خود حضور اکرم ﷺ کی ہی سنّت ہے کہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین عضوا علیھا بالنواجذ۔(ابو داؤد ۲ /۲۷۹) تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنّت لازم ہے، اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو۔ ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! تم میرے بعد میرے صحابہ ابو بکر اور عمر کی اقتدا کرنا۔" (ترمذی ۲/ ۲۰۷) پس تراویح بیس رکعت سنّتِ عین ہیں کہ اگر شخص بلا عذرِ شرعی ترک کرے تو مبتلائے کراہت و اساءت ہو۔ اور مساجد میں باجماعت تراویح ادا کرنا سنّتِ کفایہ ہے کہ اگر اہلِ محلہ اپنی اپنی مسجدوں میں جماعت قائم کریں اور بعض لوگ گھروں میں تنہا پڑھیں تو حرج نہیں۔ لیکن اگر تمام اہلِ محلہ ترک کریں تو سب گناہگار ہوں۔(فتاویٰ ۲/ ۷، ۱۸۵/ ۷، ۴۵۷، ۴۶۱، ۴۷۱، ۴۷۴، ۹/ ۲۸۱)

☆ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد بیٹھ کر تین مرتبہ یہ تسبیح پڑھنی چاہیے: سُبْحٰنَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحٰنَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحٰنَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ نَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ۔ (فتاویٰ ۷/ ۴۶۱، بحوالہ در مختار)

☆ جو شخص بلا عذرِ شرعی ماہِ رمضان کا روزہ نہ رکھے وہ فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، لہٰذا ایسے حافظ کو جو روزہ نہ رکھے نمازِ تراویح کی امامت نہ کرنے دی جائے۔(فتاویٰ ۶/ ۴۰۶)

☆ جس آدمی نے عشا کے فرض جماعت سے پڑھے ہوں اور تراویح تنہا ادا کی ہو تو وہ جماعت وتر میں شریک ہو سکتا ہے، لیکن جس نے فرض تنہا ادا کیے ہوں تو خواہ تراویح جماعت کے ساتھ ہی کیوں نہ پڑھی ہو وہ وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا کیونکہ وتر تابع ہیں فرض کے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۶۰۵)

ختمِ قرآنِ حکیم:

☆ تراویح میں پورا کلام اللہ شریف ایک بار پڑھنا یا سننا سنّتِ مؤکدہ ہے اور محققین کے نزدیک سنّتِ مؤکدہ کا تارک گنہگار ہے۔ لہٰذا ہر سال نمازِ تراویح میں پورے قرآنِ حکیم کی سماعت کرنی چاہیے۔ لوگوں کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ ۷/ ۴۵۸، ۴۷۴، ۴۷۴)

☆ نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھی جائے تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے کیونکہ اب وہ نماز کا جزو بن گیا ہے، لہٰذا اگر تین آیات کی تاخیر کی تو گناہگار ہو گا۔ تاہم اگر آیتِ سجدہ پڑھتے رکوع کر لیا تو سجدۂ تلاوت

رکوع سے ادا ہو جائے گا، لیکن اگر عمداً سجدہ نہ کیا اور نہ ہی رکوع میں گیا تو اب اس بالا رادہ غلطی کی اصلاح سجدۂ سہو کے ذریعے ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ سجدۂ سہو سے بھول کی تلافی ہوتی ہے عمدہ یعنی بالا رادہ غلطی کی نہیں۔(فتاویٰ ۱۰/ ۶۰۷)

☆ اگر نماز میں سجدۂ تلاوت کرنا بھول گیا تو جب تک وہ حرمتِ نماز کے اندر ہے اس کی قضا بجالا سکتا ہے۔ حرمتِ نماز کے اندر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ سلام پھیر چکا ہو مگر نہ جگہ سے اٹھا ہو اور نہ کوئی بات کی ہو تو ایسی صورت میں پہلے سجدہ تلاوت پھر سجدۂ سہو دونوں ادا کرلے۔ اسی طرح اگر نماز میں سجدۂ تلاوت بھول کر تاخیر سے مثلاً اگلی رکعت میں ادا کیا تو سجدۂ سہو لازم آئے گا۔(فتاویٰ ۱۰/ ۶۰۷)

☆ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن پاک کی آیت ہے۔ ہر ختمِ قرآن میں ایک دفعہ اسے پڑھا جانا چاہیے۔ لہٰذا تراویح میں جب ختمِ کلام مجید کیا جائے تو ایک بار اسے جہراً پڑھنا لازم ہے۔ سورۃ البقرہ سے سورۃ الناس تک کسی ایک سورت پر بلند آواز سے پڑھ لی جائے۔ اس کے بغیر سنّت کے مطابق ختمِ قرآن نہ ہو گا۔(فتاویٰ ۷/ ۴۶۰، ۴۷۴)

☆ نمازِ تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین بار پڑھی جاتی ہے۔ یہ ایک مستحسن عمل ہے، کیونکہ سورۂ اخلاص ایک بار پڑھنا ثلثِ قرآن کے برابر ہے اور تین بار پڑھنا پورے ختم القرآن کے برابر ثواب رکھتا ہے۔(فتاویٰ ۸/ ۱۲۱-۷/ ۴۴۷)

☆ بعض لوگ ختمِ قرآنِ حکیم کے بعد نمازِ تراویح پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا غلط ہے۔ تراویح مستقل عبادت ہے اور ماہِ مبارک کی تمام راتوں میں بیس رکعت تراویح پڑھنا سنّتِ مؤکدہ ہے۔ ہاں اگر کسی وجہ سے تراویح کا ناغہ ہو گیا تو ان کی قضا نہیں ہے۔(فتاویٰ ۷/ ۴۵۹)

☆ حافظ اگر ایک جگہ تراویح میں چند روز کے اندر قرآنِ پاک ختم کرلے اور اب آئندہ تاریخوں میں اسی جگہ دوبارہ یا کسی دوسرے مقام پر سنانا چاہتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور حافظ جتنی بار بھی قرآنِ پاک ختم کرے اسے ہر دفعہ مسنون تلاوت کا ثواب ملے گا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ پہلی دفعہ قرآن سنانا مسنون اور پھر نفل ہو گا۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۹۸)

☆ البتہ ایک ہی رات اگر امام دو جگہ تراویح میں قرآنِ پاک سنائے اور پہلی جگہ بیس تراویح پوری ادا کی ہوں تو دوسری جگہ سننے والوں کو سنّتِ تراویح میں ختمِ قرآن کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ امام دوسری جگہ نفل پڑھا رہا ہے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۶۰۰)

اعتکاف:

ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنّتِ مؤکدہ علی وجہ الکفایہ ہے۔ چونکہ حضورِ پرنور سیّدِ عالم ﷺ نے پورے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف پر مواظبت اور مداومت فرمائی ہے اس لیے پورے دس دن کا اعتکاف سنّت ہے۔ ایک روز بھی کم ہو تو سنّت ادا نہ ہو گی۔ رد المختار میں ہے: المسنون ھو اعتکاف العشر بتمامہ۔ یعنی سنّت اعتکاف رمضان کے پورے آخری عشرہ کا ہے۔ ”فتح القدیر“ میں اعتکاف کی اقسام بیان کرتے ہوئے کہا ہے: الاعتکاف ینقسم الی واجب و ھوالمنذور تنجیزا او تعلیقا والی سنۃ موکدۃ وھواعتکاف العشر الاواخر من رمضان والی مستحب وھوما سواھما۔ یعنی اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: ایک واجب جس کی نذر مانی گئی ہو خواہ فوری ہو یا معلق۔ دوسرا سنّتِ مؤکدہ اور یہ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف ہے۔ اور تیسرا مستحب جو ان دونوں صورتوں کے علاوہ ہے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۶۵۴، ۶۵۵)

معتکف کو لازم ہے کہ مسجد کے احترام اور آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھے۔ ایسا کوئی عمل نہ کرے جو تعظیم مسجد کے منافی ہو۔ کھانا احتیاط سے کھائے پیے تاکہ شوربا، دودھ وغیرہ کوئی چیز گرنے سے مسجد کا فرش آلودہ نہ ہو۔ مسجد میں اگالدان رکھنا ٹھیک نہیں۔ ہاں اگر کھانسی سے بار بار بلغم آتا ہو تو پھر معذور ہے۔ مسجد کو گھر کی طرح استعمال نہ کرے۔ دوسرے نمازیوں اور معتکفین کو ایذا نہ پہنچائے حتیٰ کہ ذکر و تلاوت بلند آواز سے کرنے میں بھی دوسروں کا خیال رکھے۔ مسجد شعائر اللہ میں سے ہے اور اس کا احترام تقویٰ کی نشانی ہے۔ (فتاویٰ ۸/ ۹۷-۹/ ۴۹۱)

معتکف مسجد کے اندر مسواک کرنے سے گریز کرے کیونکہ مسواک عموماً تر استعمال کی جاتی ہے جس سے منہ کی رطوبتیں خارج ہوتی ہیں اور ان سے مسجد کے ملوث ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ ہاں اگر کسی برتن میں یہ عمل کیا جائے تو حرج نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ مسواک وضو کے ساتھ کی جائے۔(فتاویٰ ۱/ ۶۱۵)

کوئی شخص مسجد میں اعتکاف کی حالت میں بیٹھا ہو اور اسی حالت میں اس پر غسل فرض ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ فوراً تیمم کرے۔

چاہے مسجد کی زمین یا دیوار ہی سے ہو کیونکہ مسجد میں بحالت جنابت ایک لحظہ کیلئے بھی ٹھہرنا یا چلنا حرام ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے وہ قریب ترین چیز سے تیمم کرے اور پھر فوراً غسل کرنے کیلئے مسجد سے باہر چلا جائے اور نکلنے کیلئے قریب ترین دروازہ اختیار کرے۔ (فتاویٰ ۳/ ۴۷۹۔۴۸۰)

شبِ قدر:

شبِ قدر خدا کی طرف سے اہلِ ایمان کے لیے خاص تحفہ ہے۔ یہ حضور ﷺ کی رحمتوں کا صدقہ ہے۔ پچھلی امتوں کے لوگ طویل عمر پاتے اور زیادہ عبادت کرتے۔ حضور سید عالم ﷺ کی امت کو خدا نے ایک رات ایسی عطا کر دی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ وہ رات ہے جس میں قرآن پاک اترنا شروع ہوا۔ ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی کوئی طاق رات شب قدر ہوتی ہے۔ اس میں فرشتے اور جبرئیل امین اترتے ہیں۔ اپنے رب کی طرف سے ہر کام کے لیے۔ یہ رات سراسر عافیت اور سلامتی کی رات ہے۔ غروب آفتاب سے طلوع فجر تک۔ جس کو یہ رات مل جائے اس نے بہت کچھ پالیا۔

لیلۃ القدر میں شب بیداری مستحب ہے۔ شیخ ابو طالب مکی قوت القلوب میں لکھتے ہیں: "سال بھر میں پندرہ راتیں ایسی ہیں جن میں بیدار رہ کر عبادت کرنا مستحب ہے۔ رمضان المبارک میں آخری عشرہ کی پانچ طاق راتیں کہ لیۃ القدر انہی میں ہوتی ہے اور یوم بدر ۱۷ رمضان کی رات۔"

شب قدر اوقاتِ فاضلہ میں سے ہے اور اوقاتِ فاضلہ میں اعمالِ صالحہ کی کثرت شرعاً مطلوب ہے۔ اس رات کی خصوصی نماز صلوٰۃ القدر بلادِ اسلام میں رائج ہے جس سے بعض علماءِ متاخرین اس لیے گریز کرتے ہیں کہ عوام سنّت نہ سمجھ لیں۔ تاہم علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں: صلوۃ لیلۃ القدر و نحو ذلك وان صرح العلماء بالکراھۃ بالجماعۃ فیھا فلا یفتی بذلك العوام لئلا تقل رغبتھم فی الخیرات ----- وابقاء العوام راغبین فی الصلوۃ اولی من تنفرھم۔ (۲/ ۱۵۰) یعنی شب قدر کی نماز اور اسی طرح کی دیگر نفل نمازیں باجماعت ادا کرنے کو اگرچہ علما نے مکروہ لکھا ہے مگر عوام میں یہ فتویٰ نہ دیا جائے تاکہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہو۔ عوام کو نماز کی طرف راغب رکھنا انہیں نفرت دلانے سے کہیں بہتر ہے۔ (فتاویٰ ۷/ ۴۱۸، ۴۳۲، م۴۶۶)

انعام کی رات:

اس ماہ مبارک کی آخری رات جزا اور انعام کی رات ہے۔ اور یہ قبولیتِ دعا کا موقع ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: الم ترالی العمال یعملون فاذا فرغوا من اعمالھم وفوا اجورھم۔ (شعب الایمان ۲/ ۳۰۳) یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مزدور کام کرتے ہیں۔ پس جب اپنے عمل سے فارغ ہوتے ہیں اس وقت پوری مزدوری پاتے ہیں۔ ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ: العامل انما یوفی اجرہ اذا قضی عملہ۔ (مسند احمد ۲/ ۲۹۲) یعنی عامل جب اپنا عمل پورا کر لیتا ہے تو اسے پورا اجر دیا جاتا ہے۔ تو مومن کے لیے بیشک یہ بہت بڑا موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے بعد اپنی حاجات عرض کرے اور قبولیت کا شرف پائے۔ (فتاویٰ ۸/ ۵۱۷، ۵۱۸)

صدقہ فطر:

صدقۂ فطر ماہِ رمضان میں لاگو ہوتا ہے اور ہر مسلمان مرد، عورت، بچے پر واجب ہے۔ اس کی ادائیگی عید سے قبل ہونی چاہیے۔ اور جتنا جلد ادا کیا جائے بہتر ہے۔ صدقۂ فطر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور اس کی مقدار دو مد گندم کے برابر ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں صدقہ کھجور، منقّی اور جو سے دیا جاتا۔ گندم میسر نہیں ہوتی تھی۔ ایک دوسری روایت میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گندم کا استعمال عام ہوا تو علما نے صدقۂ فطر کی مقدار گندم سے دو مد مقرر کی۔ میں (امام احمد رضا) نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ کو جو اور گندم کے پیمانوں سے تجربہ کیا تو بریلی کے سیر کی پیمائش سے گندم کی مقدار پونے دو سیر سے اٹھنی بھر زائد نکلی۔ یہ حساب محفوظ رکھنا چاہیے کیونکہ اس کے مطابق صدقۂ فطر، کفارہ اور روزے نماز کا فدیہ ادا کرنے میں زیادہ احتیاط اور مستحقین کا نفع پنہاں ہے۔ (فتاویٰ ۱/ ۵۹۴، ۵۹۵)

روزہ فرض ہے:

☆ رمضان کا روزہ ہر بالغ مسلمان پر فرض عین ہے۔ یہ دین کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ قرآن میں اگرچہ فرضیت روزہ کا ذکر صرف ایک ہی جگہ ہے لیکن عبارۃً اور اشارۃً اس کی فضیلت کئی

دوسرے مواقع پر بھی ظاہر فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں روزہ کی فرضیت یوں بیان کی گئی: یا ایھا الذین امنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ اور سورۂ توبہ میں اہل ایمان مردوں کے اوصاف یوں بیان کیے گئے: التائبون العابدون الحامدون السائحون۔ یعنی توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے۔ اور سورۂ تحریم میں مسلمان عورتوں کے متعلق فرمایا: تائبات عابدات سائحات۔ یعنی توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں۔ ان آیات میں السائح کا معنٰی روزہ رکھنے والا ہے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۲۵۔ باب زکوٰۃ)

☆ نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیثِ مبارکہ میں روزے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسلام اور دین کی بنیاد تین چیزیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ اگر کسی نے ان میں سے ایک کو ترک کر دیا تو وہ کافر ہو گا اور اس کا خون مباح ہو گا۔ ان میں سے ایک کلمۂ توحید کی شہادت، دوسری نماز فرض اور تیسری ماہ رمضان کا روزہ۔ ابو یعلی اور منذری کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ جو شخص ان تین ارکان میں سے کسی کو بجانہ لایا وہ خدا کا منکر ہے اس کا کوئی نفل و فرض قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کا خون و مال مباح ہو گا(مسند ابو یعلی، ج:۳، ص:۱۳)

ایک اور حدیثِ پاک میں نبی کریم ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ: اربع فرضھن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلاث لم یغنین عنہ شیئا حتی یاتی بھن جمیعا الصلواۃ والزکوۃ و صیام رمضان وحج البیت۔(مسند امام احمد، ج:۴، ص:۱۔۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام میں چار چیزیں فرض کی ہیں، اگر کوئی شخص ان میں سے تین چیزیں انجام دیتا رہے تو وہ اس کے کسی کام نہیں آئیں گی۔ یہاں تک کہ چاروں چیزوں کو اپنائے وہ یہ ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزۂ رمضان اور حج کعبہ۔

☆ روزہ ایک عبادت بھی ہے اور جسمانی صحت کا ذریعہ بھی حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اغزوا تغنموا و صوموا تصحوا و سافروا تستغنوا۔(مجمع الزوائد ۵/ ۳۲۴) یعنی جہاد کرو مالِ غنیمت پاؤ۔ روزہ رکھو تندرستی حاصل کرو اور سفر کرو تا کہ نفع کماؤ اور غنا پاؤ۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ روزہ انسان کے لیے جسمانی صحت اور روحانی تندرستی کا ذریعہ ہے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۳۳۲)

☆ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت پر بھی روزہ فرض ہے۔ البتہ اگر روزہ رکھنے سے خود کو یا بچے کو سخت نقصان پہنچے کا اندیشہ ہو اور یہ اندیشہ ظنِّ غالب کے ساتھ ہو تو ایسی صورت میں روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۹۷)

ایک غلط خیال:

☆ بعض لوگوں کا ایک عجیب گمان ہے کہ حافظ قرآن کو اگر تراویح میں قرآن پاک سنانے اور دن کو دَور کرنے کی وجہ سے ضعف اور کمزوری لاحق ہوتی ہو تو اس کے لیے روزہ معاف ہے۔ اسی طرح کچھ دوسرے کاموں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بہت ہی گھٹیا اور باطل خیال ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تراویح میں قرآن پڑھنا روزہ رکھنے سے مانع نہیں ہے۔ پوری دنیا میں ہزارہا حفاظ قرآن جن میں بوڑھے، بچے اور کمزور شامل ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں رات کو قرآن سناتے ہیں۔ صدیوں سے یہ معمول چلا آرہا ہے اور کبھی کسی کو نقصان دہ نہیں ہوا۔ اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ روزہ خود صحت ہے اور قرآن سراپا شفا۔ جس کا اعتقاد صحیح ہو اسے روزہ اور قرآن دونوں سے نفع حاصل ہو گا۔ قرآنِ حکیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی ہم نے قرآن نازل کیا جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور روزہ کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: صوموا تصحوا۔ یعنی روزہ رکھو اور صحت پاؤ۔ (مجمع الزوائد ۵/ ۳۲۴۔ الجامع الصغیر ۲/ ۹۵) بنا بریں کسی طرح بھی یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ تراویح میں قرآن پڑھنا یا کوئی اور دینی کام کرنا روزہ رکھنے سے مانع ہو۔ یہ صرف عذرِ باطل اور کم ہمتی ہے۔

پھر یہ ہے کہ بالفرض اگر قرآن پڑھنا کسی شخص کو اتنا کمزور کر دیتا ہے کہ اسے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہتی تو اس صورت میں اس کے لیے قرآن پڑھنا نہ سنّت ہے نہ باعثِ ثواب بلکہ موجب گناہ کیونکہ شریعتِ اسلامی کا مطلق اصول ہے کہ جو بھی عمل روزہ رکھنے سے کمزور کر دے یا مانع ہو وہ جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ دین نے کہا ہے کہ اگر روزے کی وجہ سے کوئی شخص اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ نماز میں قیام کی طاقت نہیں رکھتا تو بھی اس کے لیے رمضان کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ وہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔ (در مختار

۱/ ۱۵۲) سبحان اللہ! روزے کی اہمیت کتنی زیادہ ہے کہ اس کی خاطر نماز میں قیام ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ نماز میں قیام فرض ہے تو کہاں یہ کہ ایسے کسی عمل کی خاطر روزہ چھوڑنے کی اجازت دی جائے جس عمل کو خود روزے کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہو جیسے کوئی سنّت یا مستحب عمل۔ اور تراویح میں ختمِ قرآن بھی تو زیادہ سے زیادہ سنّت ہی ہے۔ اس سے بڑھ کر نہیں بلکہ یہ تو سنّتِ عین بھی نہیں، سنّتِ کفایہ ہے۔ اور سنّتِ کفایہ کا درجہ سنّتِ عین سے بھی مؤخر ہوتا ہے جبکہ ماہِ رمضان کا روزہ فرضِ عین ہے اور فرضِ عین، فرضِ کفایہ پر بھی مقدم ہوتا ہے۔ اب یہ کتنا بڑا ظلم اور کیسی بیوقوفی ہے کہ سنّتِ کفایہ کی خاطر فرضِ عین چھوڑ دیا جائے اور فرض عین بھی وہ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر کسی نے بیماری یا دوسرے شرعی عذر کے بغیر ماہِ رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو بعد میں ساری عمر روزے رکھتا رہے پھر بھی اس ایک روزے کا بدل نہیں ہو سکتا۔" (صحیح بخاری)

ترتیبِ عبادات:

اس موقع پر حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی یہ نفیس تحقیق پیش کرنا انتہائی فائدہ بخش ہے۔ فتوح الغیب کے مقالہ ترتیبِ عبادات میں آپ فرماتے ہیں: مومن کو چاہیے کہ وہ فرض عبادات کو انجام دے جن کے ترک سے وہ گنہگار ہوتا ہے۔ جب ان فرائض کو ادا کر چکے تو پھر سنن میں مشغول ہو جن کا ترک عتاب کا سبب ہے۔ اور سنن سے فراغت کے بعد نفلی عبادات کی طرف متوجہ ہو اگر فرائض کی ادائیگی سے پہلے ہی سنن اور نوافل میں مشغول ہو گیا تو وہ باطل اور رائیگاں ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفلی عبادات میں مشغول ہو کر فرائض کو ضائع کر دینا آدمی کے لئے باعث ہلاکت ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے قرض خواہ کو ہدیہ دے دے مگر اس کا قرض ادا نہ کرے۔ ایسا ہدیہ بارگاہِ الٰہی میں نامقبول ہے۔

☆ بنا بریں اگر کوئی حافظ قرآن تراویح پڑھا رہا ہو اور اس خیال سے روزے نہ رکھتا ہو کہ روزہ اسے کمزور کر دے گا تو لوگوں کو چاہیے کہ اس کو تراویح کی امامت سے ہٹا دیں، کیونکہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ حافظ انتہائی درجہ کا کم ہمت اور امورِ دینیہ کے معاملے میں بد ذوق ہے اور وہ تراویح میں قرآنِ پاک محض ریاکاری کے لیے پڑھا رہا ہے۔

ایسے شخص سے قرآن پڑھوانا گناہ عظیم ہے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۳۴۴)

روزہ ایک شرعی عمل ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی صبح سے لے کر شام تک عبادت کی نیت سے جسمانی فوائد لئے ہوئے ہے۔ روزہ انسان کو صحت مند بناتا ہے۔ اس کی بیماریاں دور کرتا ہے۔ اس کے جسم اور روح دونوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ حضورِ پرنور سیّدِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: صوموا تصحوا۔ یعنی روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔

اخلاص:

روزے کی نیت خالص ہونی چاہیے۔ روزے کے فائدے بہت سے ہیں لیکن روزہ رکھتے وقت ان فائدوں کی نیت نہ ہو۔ مثلاً روزے کے بارے میں حدیث ہے صوموا تصحوا روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے۔ تو یہ نہیں ہو سکتا کہ روزہ تندرستی کی نیت سے رکھا جائے بلکہ روزہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گا اور تندرستی کی منفعت اس سے تبعاً حاصل ہو گی۔ (ملفوظات حصّہ اوّل ص ۳۵)

اگر دکھاوے یا کسی اور دنیاوی غرض کے لیے روزہ رکھا تو بظاہر فقہی عمل ادا ہو جائے گا لیکن ثواب نہ ملے گا بلکہ عذابِ نار کا مستحق ہو گا۔ روزِ قیامت اس سے کہا جائے گا اے فاسق و فاجر، اے دھوکہ باز تیرا عمل ضائع ہو گیا۔ اپنا اجر اس سے مانگ جس کے لیے کرتا تھا۔

رزقِ حرام:

اگر کسی شخص کا کھانا پینا اور پہننا اوڑھنا سب حرام ہو اور وہ حرام کھانا کھا کر روزہ رکھے اور حرام چیز سے افطار کرے تو ظاہری طور پر اس سے روزے کا فرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ سحری کھانا یا افطار کرنا روزے کی حقیقت میں داخل نہیں اور نہ اس کی شرائط میں سے ہیں۔ لیکن حرام کھانے کا گناہ اس کے ذمّے الگ سے عائد ہو گا۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۳۳۱)

مسافر:

مسافر اپنے گھر سے تین منزل یا اس سے زیادہ فاصلے کا ارادہ کر کے چلے تو خواہ سفر کی نیت اچھی یا بری جو بھی ہو وہ مسافر ہے اور ایسے شخص کو جس دن کی صبح صادق مسافرت کے حال میں آئے اس دن کا روزہ ناغہ کرنا اور پھر کبھی اس کی قضا رکھ لینا جائز ہے۔ تاہم سفر میں روزہ اگر اسے یا اس کے رفیقِ سفر کو نقصان نہ پہنچائے تو پھر روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔ در مختار میں ہے: ویندب الصوم ان لم یضرہ۔ (در مختار ج:۱، ص:۱۵۴) یعنی اگر مسافر کو روزہ تکلیف نہ دے تو روزہ رکھنا مستحب ہے۔

احترامِ رمضان:

جو آدمی کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے اسے بھی ماہِ رمضان کے احترام میں دن بھر روزہ دار کی طرح رہنا واجب ہے اور اگر مجبوراً کچھ کھانا پینا ہو تو حتیٰ الوسع چھپا کر کھائے پیے۔ (فتاوٰی ۱۸/ ۵۱۹، ۵۹۵)

سحر و افطار:

☆ حضور سرورِ کائنات ﷺ کا معمولِ مبارک اور عادتِ مستمرہ یہی تھی کہ آپ ﷺ تاخیر سے سحری تناول فرمایا کرتے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہو سنّت کی پیروی میں سحر کا کھانا تاخیر سے کھانا چاہیے۔ تاہم ایسی دیر نہ ہو کہ صبح کا شک پڑ جائے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۶۲۷)

☆ سحری کھانے میں تاخیر مستحب و مسنون ہے۔ احادیث صحیحہ میں حضور ﷺ نے تعجیل افطار اور تاخیرِ سحور کا حکم فرمایا۔ ارشادِ گرامی ہے: میری امّت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحر میں دیر کرے گی۔ (صحیح بخاری) سحری میں تاخیر کا معنٰی یہ ہے کہ اس وقت تک کھائے جب تک طلوعِ فجر کا ظن غالب نہ ہو۔ آیتِ کریمہ حتی یتبین لکم الخیط الابیض یعنی حتیٰ کہ سفید ڈورا تمہارے لئے خوب ظاہر ہو جائے کا یہی منشا ہے۔

☆ رمضان میں سحری کے وقت سونے والوں کو جگانے کے لئے اور سحری کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنے کے لیے نقارہ وغیرہ کوئی معروف طریقہ اختیار کرنا جائز بلکہ مناسب ہے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۶۲۵)

افطار میں جلدی:

روزہ افطار کرنے میں تعجیل یعنی جلدی کرنا مستحب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امّت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحر میں دیر کرے گی۔ (صحیح بخاری ۱/ ۶۲۳)

☆ تعجیلِ افطار کا معنٰی یہ ہے کہ جب غروبِ آفتاب پر یقین ہو جائے فوراً افطار کر لے وہم اور وسوسے میں نہ پڑے اور نہ بلاوجہ رافضیوں کی طرح شب کا ایک حصّہ داخل ہونے کا انتظار کرے تاہم ایسی جلدی کہ ابھی آفتاب غروب ہونے میں شک ہو حرام اور مفسدِ صوم ہے۔ شک کی حالت میں افطار سے روزہ جاتا رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب سورج غروب ہونے کا یقین نہ ہو دن باقی سمجھا جائے گا اور اس وقت روزہ کھولنا دن میں کھولنا ٹھہرے گا۔ اور ستاروں کا ظاہر ہونا غروبِ آفتاب کی دلیل نہیں کیونکہ بعض تارے دن میں چمکتے ہیں۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۶۲۷)

☆ حضور سیّدِ عالم ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ روزے کی حالت میں غروبِ آفتاب سے پہلے کسی کو حکم فرماتے کہ بلندی پر جا کر آفتاب کو دیکھتا رہے۔ وہ نگاہیں آسمان پر جمائے رکھتا اور حضورِ اقدس ﷺ اس کی خبر کے منتظر ہوتے۔ جونہی وہ اطلاع دیتا کہ سورج ڈوب گیا ہے آپ ﷺ خرما وغیرہ تناول فرما کر روزہ افطار کرتے۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو روزے کی حالت میں دیکھا۔ آپ ﷺ کھجور ہاتھ میں پکڑے ہوئے غروبِ آفتاب کا انتظار فرما رہے ہیں۔ جیسے ہی سورج ڈوبا آپ ﷺ نے کھجور تناول فرما کر روزہ افطار کر لیا۔ (کشف الغمہ ۱/ ۲۵۵) (فتاوٰی ۱۰/ ۶۳۸)

افطار کی دعا:

روزہ افطار کرنے کی مسنون دعائیں یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْنَا وَ عَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْنَا فَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (شعب الایمان ۳/ ۴۰۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ۔ (عمل الیوم اللیۃ ص ۱۲۸)

ذَهَبَ الظَّمَاُ وَ ابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَيَثْبُتُ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (ابی داؤد ۱/ ۳۲۱)

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ (اشعۃ اللمعات ۲/ ۸۴)

☆ دلائل شرعیہ کا مقتضٰی یہ ہے کہ روزہ افطار کرنے کی مسنون دعا افطار کے بعد پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ کے معمولاتِ مقدسہ میں ایسا ہی نظر آتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ روزہ جلد افطار کی تلقین کی گئی ہے اور دعا غروبِ آفتاب سے پہلے تو پڑھنا بے معنٰی ہے اور آفتاب غروب ہوتے ہی سب سے پہلا کام افطار ہونا چاہئے۔ دیکھیے اگر عمرو سورج ڈوبنے کے بعد پہلے مسنون دعائیں پڑھنے اور پھر روزہ افطار کرے اور اس کے مقابلہ میں زید سورج ڈوبتے ہی پہلے فوراً روزہ افطار کرے اور پھر دعا پڑھے تو سوچنا چاہیے کہ ان میں سے کس کا فعل اللہ تعالٰی کے ہاں زیادہ محبوب ہے۔ حدیثِ طیبہ سے شہادت ملتی ہے کہ زید کا عمل زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ایک حدیثِ قدسی میں منقول ہے کہ: ان احب عبادی الی اعجلھم فطرا۔ (ترمذی ۱/ ۸۸) یعنی مجھے اپنے بندوں میں وہ شخص

زیادہ پیارا ہے، جو ان میں سب سے زیادہ جلد روزہ افطار کرتا ہے۔ اب اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ بالا صورت میں زید کا روزہ افطار کرنا عمرو کے مقابلے میں جلد تر ہے اور یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ بنابریں روزہ دار کو چاہیے کہ سورج غروب ہوتے ہی فوراً افطار کرے اور پھر ساتھ ہی مسنون دعا پڑھے۔

افطاری:

☆ تازہ کھجور کے ساتھ افطار کرنا مسنون ہے۔ اگر تازہ کھجور نہ ہو تو خشک کھجور لے لی جائے اور وہ بھی میسر نہ ہو تو پانی سے افطار کرنا بہتر ہے۔ یہی حضورِ اکرم ﷺ کا اسوۂ مبارکہ ہے۔ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: کان النبی ﷺ یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن رطبات فتمیرات وان لم تکن تمیرات فحسا حسوات من ماءٍ۔ (ترمذی ۸۸/۱۔ ابی داؤد ا/ ۳۲) یعنی حضور سیّدِ عالم ﷺ نماز مغرب ادا کرنے سے پہلے تر کھجور سے روزہ افطار کرتے۔ اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں استعمال فرماتے اور اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۶۲۹)

☆ پیٹ بھر کر کھانا اکثر عبادت میں رکاوٹ بنتا ہے۔ خاص کر ماہِ رمضان میں افطار کے وقت کم کھانا چاہیے تاکہ قیامِ لیل کی برکات سے محروم نہ ہو۔ جو بہت کھائے پیے گا وہ بہت سوئے گا۔ اور جو بہت سوئے گا وہ خیرات و برکات کھوئے گا۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ: ان کثرۃ الاکل شوم۔ (شعب الایمان ۵/ ۳۲) یعنی بے شک بہت کھانا پینا منحوس ہے۔

☆ پس کھانا حتی الامکان کم کھانا چاہیے۔ تقلیلِ غذا سب سے بہتر علاج ہے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: آدمی نے پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرا۔ انسان کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں۔ اور اگر یہ کافی نہ ہو تو ایسا کرے کہ تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پینے کے لیے اور تہائی سانس کے لیے رکھے۔ (ترمذی ۲/ ۲۰)

قبولیتِ دعا کا وقت:

حضور پر نور سیّدِ عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ان للصائم عند فطرہ لدعوۃ ماترد۔ (ابن ماجہ ص:۱۲۶) یعنی بے شک روزہ دار کے لیے افطار کے وقت بالیقین ایک دعا ہے کہ رد نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کی ایک دعا افطار کے وقت رد نہیں ہوتی۔ روزہ بہت بڑی عبادت ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ۔ چنانچہ روزہ دار شام کو افطار کے وقت خدا کی بارگاہ میں دعا کرے اور اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

امام حکیم ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا: لکل عبد صائم دعوۃ مستجابۃ عند افطارہ اعطی فی الدنیا اوذخرلہ فی الآخرۃ۔ (نوادر الاصول ص:۸۳) یعنی ہر روزہ دار بندے کے لیے افطار کے وقت ایک دعا ہے جو قبول ہوگی خواہ دنیا میں اسے دے دی جائے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ رکھی جائے۔ (فتاوٰی ۸/ ۵۱۸، ۵۱۹)

روزہ کب ٹوٹتا ہے:

☆ تین چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (۱) باہر سے کوئی چیز بدن میں اس طرح داخل ہو کہ باہر سے اس کا تعلق نہ رہے۔ (۲) جماع اگرچہ انزال نہ ہو۔ (۳) شہوت کے ساتھ مس کرنا جبکہ انزال ہو جائے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۴۸۷)

☆ روزہ فاسد ہونے کا معیار یہ ہے کہ باہر سے کوئی ایسی چیز پیٹ میں داخل ہو جائے جس سے بچاؤ مشکل ہو تو وہ معاف ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ کلی کرنے کے بعد منہ میں جو تری باقی رہ جاتی ہے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ (فتاوٰی ۳/ ۱۷۴)

☆ سحری میں کوئی چیز کھانے کے بعد اگر اس کا تھوڑا سا اثر منہ میں باقی رہ جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کھائی ہوئی چیز کا تھوڑا سا اثر جو دانتوں کے ارد گرد باقی رہ جاتا ہے اور لعاب کے ساتھ مل کر حلق میں اتر تا رہتا ہے، عام طور پر اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے اور جس چیز سے بچنا مشکل ہو وہ معاف ہے۔ البتہ اگر کوئی ذائقہ محسوس ہو تو پھر وہ چیز قلیل شمار نہیں ہوگی اور اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اس بارے میں اصول یہ ہے کہ اگر وہ اثر ایسا ہو جو لعاب سے مل کر خود بخود بغیر قصد کے حلق سے اتر جائے تو وہ قلیل ہے جس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر وہ اثر ایسا ہو جسے قصداً حلق سے اتارنا پڑے تو پھر وہ کثیر ہے اور اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (فتاوٰی ۳/ ۱۷۵)

☆ اگر کوئی شخص سحری کے وقت اتنا زیادہ کھالے کہ صبح اسے کھٹی ڈکاریں آئیں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (فتاوٰی ۱۰/۴۸۶)

☆ اگر کوئی شخص رات کو پان کھا کر سویا اور صبح اٹھنے کے بعد چند ذرے چھالیا کے دانتوں میں لگے رہ گئے تو روزہ صحیح ہو جائے گا۔ لیکن اگر منہ میں ایسا اگال کثیر تھا جس کا لعاب کے ساتھ حلق میں جانا مظنون ہے تو روزہ نہ ہو گا۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۴۸۵)

☆ جو لوگ پان یا تمباکو یا نسوار کے عادی ہیں وہ اگر روزے کی حالت میں پان، تمباکو، نسوار منہ میں رکھ لیں اور حلق میں نہ جانے دیں تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور کفارہ لازم آئے گا کیونکہ پان تمباکو منہ میں رکھا جائے تو اس کا عرق ضرور حلق میں جائے گا اور نسوار جب اوپر کی سونگھی جائے تو ضروری دماغ کو پہنچے گی۔ اور یہی تو ان چیزوں کے استعمال کا مقصد ہے۔ اور بالفرض اگر ان میں یقینی احتیاط کی صورت ممکن ہوتی جب بھی ممانعت میں شک نہ تھا کیونکہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: من وقع فی الشبہات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه۔ (صحیح مسلم ۲/ ۲۸) یعنی جو آدمی شبہ والی چیزوں کو اپناتا ہے وہ حرام میں پڑ جائے گا جیسا کہ محفوظ چراگاہ کے آس پاس بکریاں چرانے والا شخص قریب ہے کہ ممنوع حصے میں داخل ہو جائے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۴۸۶)

☆ کاغذ، پتھر، مٹی وغیرہ جو دوا ہیں نہ غذا اور نہ ہی عام طور پر آدمی کی طبیعت انہیں کھانے کے لیے مائل ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پیٹ بھر کر ان میں سے کوئی چیز کھالے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا مگر کفارہ لازم نہیں ہو گا صرف قضا ہو گی۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۵۹۵)

☆ دانتوں سے خون نکلے اور روزہ دار اس کو نگل لے تو اگر حلق میں خون کا ذائقہ محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، لیکن اگر ذائقہ محسوس نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہو گا۔ (فتاوٰی ۳/ ۱۲۹)

☆ روزہ دار کے حلق میں عود و غبر یا کسی چیز کا دھواں، غبار خواہ آٹے کی چکی کا ہو، عطر کی خوشبو، دواؤں کے ذائقے کا اثر، مکھی یا اس طرح کی اور کوئی چیز خود بخود چلی گئی۔ روزہ دار نے بالقصد اسے داخل نہ کیا ہو تو روزہ فاسد نہیں ہو گا، اگرچہ اس وقت اسے یاد ہو کہ میرا روزہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا ممکن نہیں کیونکہ روزہ دار کو بات کرنے کے لیے منہ کھولنا پڑتا ہے۔ پھر یہ اس تری کی مانند ہیں جو کلی کرنے کے بعد منہ میں رہ جاتی ہے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۴۹۰، ۴۹۱)

☆ تاہم اگر کسی روزہ دار نے مذکورہ اشیا میں سے کوئی چیز ارادۃً جان بوجھ کر اپنے حلق میں داخل کی تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ جس نے عود و غبر یا کسی چیز کی دھونی سلگائی اور اپنے قریب رکھ کر اس کا دھواں سونگھا اور روزہ یاد ہوتے ہوئے حلق میں داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۴۹۳)

☆ پانی میں غوطہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر پانی جوف کے اندر مسام کے بجائے منافذ سے چلا جائے تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا اور غوطے میں عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔

☆ سرمہ ہر وقت لگانے کی اجازت ہے اور لگا کر سو بھی سکتا ہے۔ آنکھوں میں کان یا ناک کی طرح سوراخ نہیں جن میں کوئی چیز داخل ہونے سے روزے کو نقصان پہنچے۔

☆ مسواک کرنا سنت ہے۔ روزہ دار ہر وقت مسواک کر سکتا ہے۔ البتہ عصر کے بعد مسواک چبانے سے لکڑی کے ریزے چھوٹیں یا مزہ محسوس ہو تو احتیاط کرنی چاہیے۔ روزہ دار کو منجن استعمال کرنے سے احتیاط بہتر ہے۔

☆ روزہ دار کو خلال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر رات کو دانتوں میں کچھ بچا کر نہ رکھنا چاہیے جسے دن کو خلال سے نکالے۔

☆ روزہ دار خوشبو سونگھ سکتا ہے۔ البتہ لوبان یا کوئی ایسی خوشبو سونگھنے سے جس کے اجزا دماغ کو چڑھ جائیں روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆ روزہ دار اپنے سر اور بدن پر تیل اچھی طرح مل کر جذب کر سکتا ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں کان میں ڈالنے سے روزہ جاتا رہے گا۔

☆ روزہ دار کو فصد کھلوانا جائز ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ چونکہ اس سے کمزور ہو جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا بچنا مناسب ہے۔

☆ پچکاری لگوانے سے مرد کا روزہ نہیں ٹوٹتا، عورت کا ٹوٹ جاتا ہے۔ (فتاوٰی ۸/ ۴۸۷)

☆ روزہ دار سن رسیدہ ہو یا اپنے نفس پر قابو پا سکے تو روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے، لیکن اگر جوان ہو یا ضبط نفس پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے روزے کی حالت میں بوسہ لینا منع ہے۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار کسی نے روزے کی حالت میں بوسہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی اور

دوسرے کسی شخص نے پوچھا تو منع فرمادیا۔ اس فرق کی وجہ وہی ضبط نفس کی قدرت ہے۔ (فتاویٰ حاشیہ ۲/ ۶۹۳)

☆ اگر کسی شخص نے جنابت کی حالت میں روزہ رکھا اور قصداً افطار کے وقت تک غسل نہیں کیا تو اگرچہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ طہارت شرطِ صوم نہیں، لیکن سارا دن ناپاک رہنے اور نمازیں نہ پڑھنے کی وجہ سے روزے کی نورانیت میں ضرور فرق آئے گا۔ نماز نہ پڑھنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اور گناہِ کبیرہ کی ظلمت سے روزے کا نور گھٹ جاتا ہے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۵۶)

☆ اگر کسی شخص نے غروبِ آفتاب کی تحقیق کیے بغیر یونہی روزہ افطار کر لیا اور بعد میں ثابت ہوا کہ ابھی آفتاب نہیں ڈوبا تھا یا اس بارے میں کچھ پتہ نہ چل سکا تو دونوں صورتوں میں اس شخص کو روزہ قضا کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر ثابت ہوا کہ جب اس نے روزہ کھولا اس وقت فی الواقع سورج ڈوب چکا تھا تو اب روزے کی قضا نہیں۔ (فتاویٰ ۱۰/ ۳۵۸،۳۵۶)

کفّارہ

☆ کفارہ صرف ماہِ رمضان کا روزہ توڑنے پر عائد ہوتا ہے اور اس توڑنے کی بھی چند شرائط ہیں۔ مثلاً یہ کہ روزہ کی نیت رات سے کی ہو اور جان بوجھ کر اپنی مرضی سے توڑا جائے۔ کسی قسم کا جبر واکراہ نہ ہو اور نہ ہی کوئی عذرِ شرعی جیسے مرض وغیرہ لاحق ہو۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۹۵)

☆ جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر کفارہ لازم نہیں آتا اگر کوئی شخص بار بار ان کا ارتکاب گناہ کے قصد سے کرے۔ یعنی جانتا ہو کہ میں گناہ کر رہا ہوں تو اب نہ صرف یہ کہ اس پر روزے کی قضا لازم ہوگی بلکہ بطور سزا کفارہ بھی عائد ہوگا جیسا کہ درمختار وغیرہ کتبِ فقہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۹۶)

☆ روزہ توڑنے کا جو کفارہ مقرر کیا گیا ہے اس میں ایک شرعی ترتیب پائی جاتی ہے۔ سب سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا لازم ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو آخر میں یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ کفارہ ادا کرنے میں یہ ترتیب ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ غلام تو آج کل موجود نہیں مگر باقی دو چیزوں میں ترتیب نہ رکھنا غلط ہے۔(فتاویٰ ۱۸/ ۵۹۵)

روزہ کا فدیہ

☆ بعض نادان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ روزے کا فدیہ ہر شخص کے لیے جائز ہے۔ جس کو بھی کچھ تکلیف ہو وہ روزہ چھوڑ دے اور اس کا فدیہ ادا کر دے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے، ایسا ہرگز نہیں۔

☆ فدیہ کی اجازت صرف شیخِ فانی کے لیے ہے جو پیرانہ سالی کی وجہ سے حقیقتاً روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو۔ گرمیوں میں روزہ رکھ سکے، نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق۔ اور جس عذر کے باعث وہ روزہ رکھنے سے قاصر ہے آئندہ اس عذر کے دور ہونے کی امید بھی نہ ہو۔ صرف ایسے شخص کو روزوں کے بدلے فدیہ ادا کرنے کا حکم ہے۔ (فتاویٰ ۱۰/ ۵۴۷)

☆ روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہونا ایک تو واقعی ہوتا ہے اور ایک کم ہمتی سے ہوتا ہے۔ کم ہمتی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اکثر اوقات شیطان آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ بیماری اور کمزوری کی وجہ سے وہ روزہ رکھنے کے قابل نہیں ہے۔ پھر جب خدا پر بھروسہ کرکے آدمی روزے رکھنے لگے تو اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ تھا۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ شیطان کے وسوسوں سے بچ کر چلے اور اگر فی الواقع کوئی اہل اور دیانتدار ڈاکٹر اسے روزہ رکھنے سے منع کرے تو اس کی ہدایت پر عمل کرے؛ ورنہ اپنے وہم کو لائقِ اعتنانہ سمجھے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۴۷)

☆ بعض بوڑھے اور بیمار لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو گرمیوں میں روزے کی طاقت واقعی نہیں ہوتی مگر جاڑوں میں رکھ سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے فدیہ دینا جائز نہیں، بلکہ گرمیوں میں قضا کر کے سردیوں میں روزے رکھنا ان پر فرض ہے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۴۷)

☆ بعض بیمار اور کمزور لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لگاتار مہینے بھر کے روزے نہیں رکھ سکتے مگر ایک دو دن ناغہ کر کے رکھ سکتے ہیں ایسے لوگ جتنے روزے رکھ سکیں اتنے رکھنا فرض ہے۔ باقی جتنے قضا ہو جائیں بعد میں رکھ لیں۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۴۷)

☆ کسی جوان یا بوڑھے شخص کو بیماری نے اتنا کمزور کر دیا ہو کہ وہ فی الوقت روزے رکھنے کے قابل نہ ہو تب بھی اسے فدیہ دینے کی اجازت نہیں، بلکہ بیماری جانے کا انتظار کرے اور بعد میں جب ہمت ہو تو روزے قضا کر لے۔(فتاویٰ ۱۰/ ۵۴۷)

(بقیہ صفحہ نمبر 24 پر ملاحظہ فرمائیے)

دو قومی نظریہ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وائس چانسلر، یونیورسٹی آف کراچی)

دو قومی نظریے کے مطابق مسلمان بحیثیت قوم ایک ہیں اور کسی دوسرے مذہب سے انکا اتحاد غیر فطری ہے۔ یہ نظریہ ہی پاکستان کے قیام کی بنیاد ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں دو قومی نظریہ کی تجدید امام احمد رضا کے اعزازات میں سے ہے۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال سے بہت پہلے امام احمد رضا اپنے فتاویٰ میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے اتحاد کو غیر شرعی قرار دے چکے تھے۔ تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور ندوۃ العلما سے متعلق ان کی تصانیف اس کا بین ثبوت ہیں۔ احقاق حق اور ابطال باطل کی اس جدوجہد میں آپ نے اپنوں یا غیروں کسی کی پرواہ نہ کی۔ تحریک پاکستان میں علماو مشائخ اہلسنت بالخصوص خلفاو تلامذہ امام احمد رضا کا قائدانہ کردار اسی دو قومی نظریہ کی بازگشت تھی۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی معروف محقق و مورخ ہیں۔ تحریک پاکستان سے متعلق آپ کی متعدد تصانیف شہرت کی حامل ہیں اور قیام پاکستان کی تاریخ کو غیر جانبدارانہ انداز میں پیش کرتی ہیں۔ یوم آزادی کے موقع پر آپکی تحریر کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ (عبید)

۔۔۔ اب ہم مسلم علما کے ایک اور مکتبِ فکر اہل سنّت کا ذکر کرتے ہیں۔ اس مکتبِ فکر کے عظیم ترین عالمِ دین مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے نظریات کا مختصر ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے قائل بالکل نہ تھے۔ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ممتاز فقیہہ اور معاملہ فہم تھے۔ ان کے فتووں اور فیصلوں کا آج بھی احترام کیا جاتا ہے۔ علاّمہ سر محمد اقبال نے ان کے بارے میں کہا تھا: ''مولانا کے فتوے ان کے فہم و ادراک، علمی مرتبے اور ان کی تخلیقی فکر کی گہرائی و گیرائی، ان کی مجتہدانہ بصیرت اور علمِ دین پر گہری دسترس کے شاہد عادل ہیں۔ اگر اُن کے مزاج میں شدّت نہ ہوتی تو وہ اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوتے۔''

علامہ اقبال نے جس انتہا پسندی کا حوالہ دیا ہے وہ مولانا احمد رضا خاں کے اس رویّے کے بارے میں ہے جو انہوں نے دیوبندی مکتبِ فکر کے بعض رہنماؤں کے بارے میں اختیار کیا اور جس کی بنیاد پر وہ انہیں دائرۂ اسلام سے خارج خیال کرتے تھے۔ جب بعض مواقع پر دیوبندی مکتبہ فکر کے بعض ممتاز علما نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بعض نازک سوالات اٹھائے تو ان بیانات کی نوعیت انتہائی متنازعہ تھی۔ چنانچہ ان بیانات کو جس اشتعال انگیز انداز میں پیش کیا گیا۔ اس پورے معاملے کو مابعد الطبیعاتی عذر خواہی کے طور پر پیش کرنا بہتر ہے۔ ایک فریق کی جانب سے خدا کی حقانیت، وحدانیت اور علم کے بارے میں بعض نظریات سامنے لائے جا رہے تھے، جبکہ دوسری جانب سے ان خیالات و نظریات کو اسلام کے منافی گردانا گیا، لیکن بد نصیبی سے ان تمام اختلافات کو ان لوگوں کے سامنے بھی پیش کیا گیا جو انہیں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ تاہم اس سے مولانا کی علمی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور کتابچوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ برصغیر کا ان کا کوئی اور ہم عصر ماہر الٰہیات اپنے پیروکاروں پر مرتّب نہیں کر سکا۔

تحریکِ خلافت کے آغاز میں عدمِ تعاون کے فتوے پر دستخط لینے کے لیے علی برادران اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے جواب دیا: ''مولانا! آپ کی اور میری سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف۔'' جب مولانا نے یہ دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہوگئے ہیں تو انہوں نے کہا: ''مولانا! میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں۔ میں تو ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔''

اس مخالفت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس اتحاد کے بڑے حامی افراط و تفریط میں اس قدر بہہ گئے تھے کہ ایک عالم اس کی حمایت نہیں کر سکتا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی بعض تحریروں اور افعال پر اعتراض کیا، جنہوں نے خود ان الفاظ میں اس کا حسین اعتراف کیا ہے: ''مجھ

سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ اور کچھ نادانستہ۔ مجھے ان پر ندامت ہے۔ زبانی، تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے جنہیں میں نے گناہ تصوّر نہیں کیا تھا لیکن مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ انہیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابلِ مواخذہ خیال کرتے ہیں۔ اُن سب سے میں رجوع کرتا ہوں جن کے لیے پیش روؤں کا کوئی فیصلہ یا نظیر موجود نہیں۔ ان کے بارے میں میں مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔"

اپنا یہ بیان مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے شائع کردیا۔ مسلمانوں کو ہندو قیادت کی پیروی سے باز رکھنے کی جدوجہد جاری رہی۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی میں جمعیت علمائے ہند کے زیرِ اہتمام ایک کانفرنس میں شریک تھے۔ کانفرنس میں انہوں نے ہندوؤں کی جانب مولانا ابوالکلام آزاد کے میلان کو ہدفِ تنقید بنایا اور انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ "موالات" بھی ایسے ہی حرام ہے جیسے انگریزوں کے ساتھ۔ اسی طرح مولانا محمد علی جوہر نے بھی اپنی وفات سے تین ماہ قبل مولانا نعیم الدّین مراد آبادی کے سامنے اپنی ہندو نواز سرگرمیوں سے توبہ کی۔ چند ماہ بعد مولانا شوکت علی نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ بریلوی مکتبِ فکر سے متعلق علما مسلمانوں کے لیے کانگریس کی قیادت کے خلاف تھے۔ کیونکہ انہیں یہ یقین تھا کہ اس سے مسلمان بتدریج اپنے مذہبی تشخّص سے محروم ہوجائیں گے اور وہ ہندوؤں کے عقائد اور روایات قبول کرلیں گے۔ جب ہندوؤں نے شدھی کی تحریک کا آغاز کیا تو ان علما نے اس کے مقابلے میں جماعتِ رضائے مصطفیٰ کی بنیاد ڈالی جس کے تحت سینکڑوں بریلوی علما نے ملکانہ راجپوتوں میں قابلِ قدر کام کیا اور کامیاب ہوئے۔

بریلوی مکتبِ فکر کی قیادت (بعد ازاں) مولانا نعیم الدّین مراد آبادی کے ہاتھوں میں آگئی۔ جمعیت علمائے ہند کے علما کے برعکس وہ ۳۹۔۱۹۳۸ء میں ہی اس بات پر یقین کرچکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک برصغیر پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ ان کے لیے یہ سوال شدّت اختیار کرتا جارہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیے۔ اس لیے جونہی قرار دادِ پاکستان منظور ہوئی اس مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علما جنہوں نے اس سے قبل بھی کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی، قیامِ پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کردیا اور ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی ضرورت کی تبلیغ میں مصروف ہوگئی۔ مولانا سید نعیم الدّین مراد آبادی نے بذاتِ خود شمالی برِصغیر کا دورہ کیا اور اس کے متعدد چھوٹے اور بڑے شہروں اور قصبات میں تقریریں کیں۔ تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے نیا نام دیا گیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس سے اس کا نام "جمہوریۃ الاسلامیہ" رکھ دیا گیا۔ اس کے ارکان پاکستان پر اسقدر اعتقاد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدّین مراد آبادی نے "جمہوریۃ الاسلامیہ" پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات کو ایک خط میں لکھا: "جمہوریہ الاسلامیہ" کو کسی بھی صورتِ حال میں پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونا قبول نہیں۔ خواہ جنّاح خود اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کیبنٹ مشن تجاویز سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔" بنارس میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی۔ جس میں پانچ ہزار علما نے شرکت کی اور حاضرین و مندوبین کے سامنے پاکستان کی ضرورت و اہمیّت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ جب یہ علما اپنے اپنے علاقوں میں واپس گئے تو قیامِ پاکستان کی تحریک کو وسیع پیمانے پر پزیرائی حاصل ہوئی۔

مولانا نعیم الدّین مراد آبادی نے اپنے مکتبِ فکر کے علما کے کردار کا ان الفاظ میں ذکر کیا: "ہم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آنا علما کے لیے مناسب خیال نہیں کیا لیکن ہم نے مسلم لیگ کے مخالفین کا بڑی شدت سے مقابلہ کیا اور اس کا مقصد مسلم لیگ کو ممنون کرنا ہرگز نہیں تھا، کیونکہ ہم نے اپنا کردار ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادا کیا ہے۔ ہم نے کسی وقت بھی غیر مسلموں پر اعتقاد نہیں کیا اور اب جبکہ مسلم لیگ نے اسلامی آرڈیننس کے نفاذ کی جانب قدم اٹھایا ہے تو ہم اسلام کی عظمت اور غلبہ کے لیے مسلم لیگ کے مخالفین کی مخالفت کررہے ہیں۔

بعض دیگر علمانے بھی اس ضمن میں خصوصی کردار ادا کیا۔ ان میں سے ایک مولانا آزاد سبحانی تھے، جنہوں نے ہمیشہ قیامِ پاکستان کی حمایت کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کلکتہ میں نمازِ عید کے بڑے اجتماع کی امامت کیا کرتے تھے، لیکن مقامی مسلمانوں نے ان کی کانگریس نواز سرگرمیوں سے بیزار ہوکر انہیں امامت سے برطرف کردیا اور ان کی نظرِ انتخاب مولانا آزاد سبحانی پر پڑی جن کی تعلیمات اور خدمات جانی پہچانی تھیں۔ وہ اس قدر بے لوث تھے کہ ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں بہت کم مواد دستیاب ہے، تاہم وہ لوگ ان کی خدمات سے بخوبی واقف ہیں جو گزشتہ نصف صدی کی تحاریک کے عینی شاہد ہیں کہ انہوں نے مچھلی بازار کانپور کی مسجد کے انہدام کے خلاف مظاہرے میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ وہ خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں میں بھی مستعد رہے۔ وہ مسلم لیگ کے اس کے قیام کے وقت سے ہی پُرجوش معاون تھے۔ وہ ایک زبردست عوامی مقرّر تھے۔ ان کے خیالات منطقی اور متوازن ہوتے تھے۔ ان کی زبان شستہ اور پاکیزہ ہوتی اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اس برّصغیر میں اردو کے سب سے بڑے عوامی مقرّر تھے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے عوامی معاملات میں اپنی نوجوانی کے زمانے میں ہی دل چسپی لینا شروع کردی تھی۔ وہ تحریکِ خلافت کے ایک جوشیلے کارکن تھے اور انہوں نے اس وقت سے مسلم لیگ کا ساتھ دینا شروع کیا جب اس کا کانگریس سے جھگڑا شروع ہوا۔ وہ قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی پاکستان منتقل ہوگئے۔ وہ ''جمعیت علمائے پاکستان'' کے بانیان میں سے تھے۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

(بقیہ صفحہ نمبر 21 سے ملحق)

☆ فدیہ کی اجازت صرف ایسے شیخ فانی کے لیے ہے جسے بڑھاپے نے اتنا زیادہ ناتواں کردیا ہو کہ وہ کسی موسم اور کسی صورت روزے رکھنے کے قابل نہ ہو اور نہ اس کی طاقت بحال ہونے کا امکان ہو کیونکہ بڑھاپا تو جانے والی چیز نہیں۔ جوں جوں عمر بڑھے گی ضعف بڑھتا جائے گا۔ ایسے شخص کو اجازت ہے کہ روزے نہ رکھے اور ان کا فدیہ ادا کرے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۵۴۷،۵۴۹)

فدیہ کی ادائیگی

☆ شیخ فانی پر روزوں کا فدیہ اپنی زندگی میں ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کسی وجہ سے ادا نہ کرسکے تو وصیت کردے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی میں ادا کردے۔ مرضِ وفات میں بھی روزے کا فدیہ دینا جائز ہے۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۵۴۵)

☆ فدیہ کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے شرعی مصارف ہیں۔ صدقہ فطر، کفارہ، نذر اور دیگر صدقات واجبہ کے مصارف بھی وہی ہیں۔ (فتاوٰی کا وزن دو سو ستّر تولے کے برابر ہے۔ گندم اور جو کے علاوہ کسی قسم کا کوئی غلہ وغیرہ دینا ہو تو اس میں وزن کا لحاظ نہیں ہوگا، بلکہ اسی ایک صاع جو اور نیم صاع گندم کی قیمت کا اعتبار ۱۰/ ۵۲۸)

☆ ایک روزے کا فدیہ نصف صاع گندم یا ایک صاع جو ہے۔ ایک صاع کیا جائے گا۔ قیمت میں اس دن کا نرخ بازار معتبر ہوگا جس دن فدیہ واجب ہوا، نہ کہ جس دن ادا کررہے ہیں۔ (فتاوٰی ۱۰/ ۵۲۵،۵۳۱)

جسے جلوہ نظر آیا امامِ اہلِ سنّت کا
دل و جاں سے ہوا شیدا امامِ اہلِ سنّت کا

عجم میں دھوم ہے کس کی شہِ احمد رضا خاں کی
عرب واصف ہوا کس کا امامِ اہلِ سنّت کا

ہماری کم نصیبی رہ گئے یاں ٹھوکریں کھاتے
بلاوا آگیا تھا امامِ اہلِ سنّت کا

نہیں یارائے فرقت دفن میں تعجیل ہو یارو
کہ ہے پیشِ نظر جلوہ امامِ اہلِ سنّت کا

رضا اپنے غلاموں کو لیے جب پل سے گزریں گے
تو ہوگا شور اک برپا امامِ اہلِ سنّت کا

لواء الحمد کے نیچے جگہ ہم کو ملے یارب
کریں دل بھر کے نظارا امامِ اہلِ سنّت کا

(فدائے اعلیٰ حضرت صوفی ایوب علی رضوی بریلوی)

امام احمد رضا اور دعوت وتبلیغ

توفیق احمد برکاتی (ممبئ، انڈیا)

حق کی دعوت و تبلیغ ایک عظیم فریضہ ہے جس کا ذمہ داری اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو دی ہے۔ دین کی ترویج واشاعت میں حکمت و تدبیر، خوش اخلاقی و نرم خوئی کو روح کا درجہ حاصل ہے کیونکہ سنجیدہ گفتگو دل پزیر ہوتی ہے اور اذہان خود بخود اس کی طرف جھکتے ہیں۔ اس کے برخلاف غیر سنجیدہ جذباتی اور تشدد پسندانہ طرزِ تکلم سے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ پیش نظر مضمون امام احمد رضا کے اسی نظریہ دعوت و تبلیغ کا مختصر جائزہ ہے۔ امام احمد رضا نے پوری زندگی اشاعتِ دین میں گزاری، ہزار سے زائد کتب ورسائل تصنیف کیے، تحریر و تقریر اور وعظ و نصیحت نیز اپنے کردار و عمل، معمولات وتعلیمات کے ذریعے مذہبِ اسلام کی دعوت و تبلیغ انجام دی۔ آپ نے خود اپنے طرزِ عمل اور مدبرانہ تفہیم کے ذریعے اس نظریۂ دعوت و تبلیغ کو آشکار کیا اور انسانی نفسیات کو پرکھ کر تبلیغِ دین کے زاویے متعین فرمائے۔ (عبید)

مجدّدِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کی ہمہ جہت ذات اور قابلِ قدر شخصیت کسی تعارف و تبصرے کی محتاج نہیں۔ آپ نے پوری زندگی دین کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کردی، پژمردہ قلوب میں عشقِ نبوی ﷺ کا چراغ جلایا، شعائرِ اسلام کے تحفظ و بقا کی خاطر قلمی جہاد کیا، اُمّتِ مسلمہ کے عقاید کو استحکام عطا کیا، خدا اور رسول کی ذات پر، معمولاتِ اہلِ سنّت پر اور مسلّمہ عقائد پر ہونے والے حملوں کا بھرپور دفاع کیا اور دلائل و شواہد کی روشنی میں احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے علمی و فقہی کارہائے نمایاں اور دینی و ملّی خدماتِ جلیلہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ جن پر عالمی جامعات میں تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔[۱] آپ کی آفاقی شخصیت کے نت نئے گوشے سامنے آرہے ہیں۔ تابندہ نقوش سے عالمِ اسلام بہرہ ور ہو رہا ہے۔[۲]

مذہب کے فروغ و ابلاغ میں امام احمد رضا کی تعلیمات اور عالم گیر ذات سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کی خوش نما اور رنگا رنگ کرنوں سے پوری دنیائے اسلام رہنمائی حاصل کررہی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقشبندی رقم طراز ہیں: ''امام احمد رضا کی ذات یک بحرِ ذخّار اور روشن آفتاب و ماہتاب ہے، جس کی موجوں اور شعاعوں کا شمار ممکن نہیں۔''[۳] حضرت علامہ سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی فرماتے ہیں: ''امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ کمال نہیں کہ وہ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ وہ بہت بلند پائے کے فلسفی تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ ریاضی و ہیئت کے دانائے راز تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ فقہ کے اُفق کے درخشاں آفتاب تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں اچھی شاعری کرتے تھے۔ کمال تو یہ ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں کے جامع تھے جو انفرادی طور پر دوسرے لوگوں میں شانِ افتخار اور اولو العزمی کا سبب بنا کرتی ہیں۔''[۴]

دعوت وارشاد کی حقیقت، اس کا حقیقی مفہوم، اسلوبِ دعوت اور اس کے بنیادی نکات امام احمد رضا کی نگاہ میں کیا تھے، آپ کی تعلیمات سے کیا اشارہ ملتا ہے، اس کی اہمیت و افادیت کے تعلق سے آپ نے کیا نظریہ پیش کیا؟ زیرِ نظر مضمون میں ان تمام باتوں پر قدرے تفصیلی بحث کی گئ ہے۔

دعوت و تبلیغ ایک عظیم مذہبی فریضہ ہے جو ایمان والوں پر خداوند قدس کی جانب سے تفویض ہوا ہے۔ قرآنِ مجید کی بہت سی آیات اور احادیث اس پر شاہد ہیں، خود امّتِ محمدیہ کی افضلیت و برتری اور شان وعظمت کی وضاحت میں قرآنِ کریم میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسی صفات کا استعمال ہوا۔[۵] انبیائے کرام ورسلانِ عظام کی بعثت و تشریف آوری کا مقصد دعوت الی الحق ہی تھا۔[۶] بقدرِ استطاعت گرد و پیش پھیلے ہوئے منکرات کا قلع قمع اور خلافِ شرع امور کا انسداد اور قوم کی مناسب رہنمائی بہت ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: ''ازالۂ منکر بقدر قدرت فرض ہے۔''[۷] آپ مزید فرماتے ہیں: ''امر بالمعروف

ونھی عن المنکر ضرور بنصوص قطعیہ قرآنیہ اہم فرائض دینیہ سے ہے اور بحال وجوب اس کا تارک آثم و عاصی اور ان نافرمانوں کی طرح خود بھی مستحقِ عذابِ دنیوی و اخروی۔ احادیثِ کثیرہ اس معنٰی پر ناطق ہیں۔" [۸] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یوں نہیں خدا کی قسم یا تو تم ضرور امر بالمعروف کروگے، ضرور نہی عن المنکر کروگے یا ضرور اللہ تعالیٰ تمہارے دل ایک دوسرے پر مارے گا، پھر تم سب پر اپنی لعنت اُتارے گا جیسی ان بنی اسرائیل پر اتاری۔" [۹]

دعوت و تبلیغ کی اہمیت وافادیت وضرورت مسلّم تو ہے ہی، اس سے زیادہ اہمیت اُن لازمی امور کی ہے جن کی بجا آوری اس عمل میں بے حد ضروری ہے۔ یہ میدان بڑا دشوار گزار اور پُر آشوب ہے جس میں حکیمانہ طرزِ عمل اور ناصحانہ اسلوبِ بیان اختیار کرنا، نیز عصری تقاضوں کو پیشِ نظر رکھنا اور بہترین تدابیر کو عمل میں لانا بہت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے" [۱۰] یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف کے اندر حکم دیا گیا کہ تبلیغ سامعین کے حال کے مطابق ہونی چاہیے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاوٰی رضویہ میں اس طرز کی کئی احادیث ذکر کی ہیں: [۱۱] حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تو کسی قوم کے آگے وہ باتیں بیان کرے گا جن تک ان کی عقلیں نہ پہنچیں تو ضرور وہ ان میں کسی پر فتنہ ہوں گی۔" [۱۲]

دین کی ترویج واشاعت میں حکمت وموعظت، نرمی وملائمت، خوش اخلاقی ونرم خوئی کو روح کا درجہ حاصل ہے۔ اس لیے کہ سنجیدہ گفتگو دل پزیر ہوتی ہے اور اذہان خود بخود اس کی طرف جھکتے ہیں۔ اس کے برخلاف غیر سنجیدہ جذباتی اور تشدد پسندانہ طرزِ تکلم سے کام بننے کی بجائے بگڑ جاتا ہے اور اس سے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نرمی کے فوائد کے بارے میں امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں: "دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔ اگر اس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں یہ جو وہابیہ کے بڑے بڑے ہیں ان سے بھی ابتداءً نرمی برتی گئی" [۱۳] اپنے ایک فتوے میں تحریر کرتے ہیں: "مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے شریعتِ مطہرہ رفق وتیسیر پسند فرماتی ہے، نہ معاذ اللہ تضییق وتشدید۔" [۱۴]

لوگوں کو برائیوں سے منع کرنے اور نیک باتوں کا حکم دینے میں حدود اللہ کی رعایت اور اس کا پاس لحاظ ناگزیر ہے، بے جا تشدد اور تعصب زدہ اسلوبِ بیان سخت نقصان کا پیش خیمہ ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: "امر بالمعروف ونہی عن المنکر عمدہ تمغائے مسلمانی ہے۔ اس نیک کام میں بہت لوگ حدودِ خداوندی کا خیال نہیں رکھتے اور تشدد وتعصب کو یہاں تک نباہتے ہیں کہ ان کا گناہ ان جاہلوں کے گناہ سے بدرجہا زائد ہو جاتا ہے، جن کے لیے یہ ناصح مشفق بنے تھے۔" [۱۵]

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید قرآن وحدیث میں واضح الفاظ میں کی گئی ہے۔ ان کی دلداری اور اطاعت بہر حال لازم ہے۔ ہاں اگر یہ دل داری اور فرماں برداری شرعی امور میں حائل ہو تو جائز نہیں۔ ماں باپ اگر خلافِ شرعی کام بھی کریں تو انہیں اس سے روکنے اور بازرکھنے کے لیے سختی سے پیش آنے کی ممانعت ہے بلکہ نرمی اور ان کا ادب واحترام بہر صورت ضروری ہے۔ اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "امر ونہی میں والدین سے سخت کلامی جائز نہیں۔" [۱۶] ایک دوسرے فتوے میں تحریر کرتے ہیں: "اطاعتِ والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکب کبیرہ ہوں، ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے مگر اس کے سبب یہ اُمورِ جائزہ میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا، ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں لاطاعة لاحدٍ فی معصیة اللہ تعالیٰ، ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے، اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا، بلکہ غیبت میں ان کے لیے دعا کرے۔" [۱۷]

انسدادِ جرائم و دفعِ منکرات میں جہاد کافی موثر ذریعہ ہے اور منکر کے ازالے میں بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ جہاد کی تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "جہاد کہ اعظم وجوہ ازالۂ منکر ہے، اس کی تقسیم تین اقسام پر ہے: سنانی، لسانی، جنانی یعنی کفر وبدعت، فسق کو دل سے برا جاننا، یہ ہر کافر، مبتدع وفاسق سے ہے اور ہر مسلمان کہ اسلام پر قائم ہو اسے کرتا ہے، مگر جنہوں نے اسلام کو سلام اور اپنے آپ کو کفار ومشرکین کا غلام کیا ان کی راہ جدا ہے، ان کا دین غیر دین خدا ہے اور لسانی کہ زبان وقلم سے ردّ بحمدہٖ تعالیٰ

خادمانِ شرع ہمیشہ سے کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو تو دمِ آخر تک کریں گے، وہابیہ، نیاچرہ، دیوبندیہ، قادیانیہ، روافض، غیر مقلدین، ندویہ، آریہ، نصاریٰ وغیر ہم کارد کیا اور اب گاندھویہ سے بھی وہی برسر پیکار ہیں۔ حق کی طرف بلاتے اور باطل کو باطل کر دکھاتے ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ گروں سے بچاتے ہیں وللہ الحمد آگے ہدایت رب عزوجل کے ہاتھ ہے۔ الخ"[۱۸]

اس اہم اور پُر اثر کام میں امام احمد رضا اپنے معمولات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "دفعِ گمراہان میں جو کچھ اس حقیر میرز سے بن پڑتا ہے بحمد اللہ تعالیٰ ۱۴ برس کی عمر سے اس میں مشغول ہے اور میرے رب کریم کے وجہ کریم کو حمد کہ اس نے میری بساط، میرے حوصلے، میرے کاموں سے ہزاروں درجہ اس سے زائد نفع بخشا۔"[۱۹]

آپ نے پوری زندگی اشاعتِ دین و مذہب میں گزار دی، بدمذہبوں کا ردِّ بلیغ کیا، ہزار سے زائد کتب و رسائل تصنیف کیے، تحریر و تقریر اور وعظ و نصیحت بلکہ اپنے کردار و عمل، معمولات و تعلیمات کے ذریعے مذہبِ اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور ہمیشہ ہر وقت فکرِ اُمت میں لگے رہے۔ دین کی اشاعت کے لیے خاطر خواہ کام نہ ہونے کی وجہ سے اپنا دردِ دل کچھ یوں بیان کیا: "بڑی کمی اُمرا کی بے توجہی اور روپے کی ناداری ہے۔ حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ "وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا" کوئی عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں ہے نہیں، کوئی اخبار پرچہ آپ کے یہاں نہیں۔ واعظین، مدرسین، مناظرین، مصنفین کی کثرت بقدرِ حاجت آپ کے پاس نہیں، جو کچھ کرسکتے ہیں فارغ البال نہیں، جو فارغ البال ہیں وہ اہل نہیں، بعض نے خونِ جگر کھا کر تصانیف کیں تو چھپیں کہاں سے، کسی طرح سے کچھ چھپا تو اشاعت کیوں کر ہو۔"[۲۰]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے خود اپنے طرزِ عمل اور مدبرانہ تفہیم کے ذریعے نظریۂ دعوت کو آشکار کیا اور سامنے والے کی نفسیات کو پرکھ کر تبلیغِ دین کے لیے زاویے متعیّن فرمائے۔ ایک سید صاحب کی اصلاح کا ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو! امام اہلِ سنّت فرماتے ہیں: "ایک صاحب ساداتِ کرام میں سے اکثر میرے پاس تشریف لاتے اور غربت و افلاس کے شاکی رہتے، ایک مرتبہ بہت پریشان آئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ جس عورت کو باپ نے طلاق دے دی ہو، کیا وہ بیٹے کو حلال ہو سکتی ہے؟ فرمایا، نہیں۔ حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جن کی آپ اولاد ہیں تنہائی میں اپنے چہرۂ مبارکہ پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا: اے دنیا! کسی اور کو دھوکہ دے، میں نے تجھے وہ طلاق دی جس میں کبھی رجعت نہیں، پھر ساداتِ کرام کا افلاس کیا تعجب کی بات ہے؟ سید صاحب نے فرمایا: واللہ میری تسکین ہوگئی، وہ اب زندہ موجود ہیں، اس دن سے شاکی نہ ہوئے۔"[۲۱]

سوچیے! غور کیجیے! کس خوبصورت اندازِ تخاطب کے ذریعے اعلیٰ حضرت نے سیّد صاحب کی اصلاح فرمائی اور دین کا پیغام دیا۔ یہ اسلوبِ دعوت اور طرزِ عمل آپ نے حضور نبیِ کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے سیکھا جس میں سیّدِ عالم ﷺ نے ایک جوان کو زنا کے متعلق اجازت طلب کرنے کے سوال و استفسار پر اس کی قباحت وشناعت سے آشنا کرادیا اور شائستہ طرزِ عمل سے زناکاری جیسے عظیم تر گناہ کو اس کی نگاہ میں ناپسندیدہ بنادیا۔ خود امام احمد رضا قدس سرہ نے اس عظیم تاریخی واقعے کو بیان فرمایا: "ایک شخص خدمت اقدس حضور سرورِ عالم ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! میرے لیے زنا حلال فرمادیجیے۔ صحابۂ کرام نے انہیں قتل کرنا چاہا کہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر یہ گستاخی کے الفاظ کہے۔ حضور نے منع فرمایا اور ان سے فرمایا، قریب آؤ، وہ قریب حاضر ہوئے اور قریب فرمایا، یہاں تک کہ ان کے زانو زانوے اقدس سے مل گئے۔ اس وقت ارشاد فرمایا، کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے۔ عرض کی نہ، فرمایا، تیری بیٹی سے، عرض کی نہ، فرمایا، تیری بہن سے، عرض کی نہ، فرمایا، تیری پھوپھی سے، عرض کی نہ، فرمایا، تیری خالہ سے، عرض کی نہ، فرمایا کہ تو جس سے زنا کرے گا آخر وہ بھی کسی کی ماں یا بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ ہوگی یعنی جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا دوسرے کے لیے کیوں پسند کرتا ہے۔ دستِ اقدس ان کے سینہ پر مار کر دعا فرمائی کہ الٰہی زنا کی محبت اس کے دل سے نکال دے۔ وہ صاحب کہتے ہیں، جب میں حاضر ہوا تھا تو زنا سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی چیز نہ تھی اور اب اس سے زیادہ کوئی چیز مجھے مبغوض نہیں۔"[۲۲]

(بقیہ صفحہ نمبر 31 پر ملاحظہ فرمائیے)

امام احمد رضا اور علمِ کلام

مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی (انڈیا)

علم کلام ایک اہم ترین علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، انبیاو رسل کے احوال، قیامت اور اس کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔ اللہ عزوجل کی صفتِ کلام کے ذیل میں قرآنِ کریم کے غیر مخلوق یا مخلوق ہونے کا مسئلہ اہم موضوع ہے۔ اس موضوع کی ایک معرکۃ الآرا بحث 'کلام لفظی و کلام نفسی' ہے۔ امام احمد رضا نے جب آواز کی حقیقت سے متعلق رسالہ "الکشف شافیا حکم فونو جرافیا" (۱۳۲۸ھ) تحریر کیا تو اس میں مسئلہ کلامِ لفظی و کلام نفسی بھی مختصراً بیان فرمایا۔ بعد ازاں آپ نے اس مسئلے کی تفصیلی تحقیق ایک علیحدہ عربی تصنیف "انوار المنان فی توحید القرآن" (۱۳۳۰ھ) کی صورت میں پیش کی۔ یہ رسالہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل نے شائع کیا۔ ۲۰۰۷ء میں تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں ازہری مدظلہ نے اس رسالے کا اُردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ بھی کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ پیش نظر مضمون میں علم کلام کے اس اہم موضوع پر امام احمد رضا کی تحقیقات کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے جس سے آپ کی اس مشکل مسئلے پر دسترس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ (عبید)

اربابِ علم و دانش اور اصحاب فکر و نظر نے میدانِ علم و فن میں امام احمد رضا قدس سرہ کی دقتِ نظر، وسعتِ خیال اور بلندیِ تحقیق کو ہر زاویۂ نظر سے پرکھا۔ ہر فن کے ماہرین نے ان کے علمی افادات اور فنّی تحقیقات و تدقیقات کا تنقیدی جائزہ لیا۔ بالآخر اس حقیقت کا سب کو اعتراف کرنا پڑا۔

ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

امام احمد رضا نہ صرف علومِ اسلامیہ میں گہری بصیرت رکھتے تھے بلکہ ان علوم و فنون میں بھی انہیں کامل مہارت حاصل تھی جن کا براہِ راست اسلامی علوم سے تعلق نہیں۔ جنہیں علم آلی بھی کہہ سکتے ہیں اور اسلامی علوم میں تو ان کی معلومات غیر معمولی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب کسی مسئلے پر بحث و گفتگو فرماتے ہیں تو اس کے تمام نکات و مضمرات کا بھرپور جائزہ پیش فرماتے ہیں۔ ان کی تنقیدات کو پڑھیے تو ایک بہت بڑے نقّاد کی حیثیت سے نظر آئیں گے۔ ان کے فقہی کارناموں کا جائزہ لیجیے تو اس زمانے میں فقہِ حنفی اور اس کے کلیات و جزئیات کی معلومات اور ان پر دسترس و مہارت کے اعتبار سے ان کی نظیر نہیں ملے گی۔ ان کے مناظرانہ و متکلمانہ اندازِ بحث و گفتگو کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک عدیم المثال متکلم و مناظر ہیں۔ علمِ کلام میں امام احمد رضا قدس سرہ کے افادات و ابحاث کو نظر بصیرت سے مطالعہ کرنے والا یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اس خشک اور سنگلاخ میدان میں بھی انہوں نے گل سرسبد اُگائے ہیں جن کی خوشبو سے اس فن کے قارئین کی مشامِ جان معطر ہو جائے۔

راقم الحروف علمِ کلام میں امام احمد رضا قدس سرہ کے بعض ابحاث و افادات کو اربابِ علم و فن اور اصحابِ فضل و کمال کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ اس مشکل کام کے لئے جس دقتِ نظری اور وقت کی ضرورت ہے وہ مجھے حاصل نہیں۔ تاہم جو کچھ ضبطِ تحریر کیا جا رہا ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ اہلِ علم کے لئے باعث سرور ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام

اللہ عزوجل کی صفتِ کلام کے ذیل میں قرآنِ کریم کے غیر مخلوق یا مخلوق ہونے کا مسئلہ کلیدی مانا جاتا ہے، مجتہد مطلق حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خلقِ قرآن کا فتنہ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس فتنے کو دبانے کی ہر ممکن کوشش فرمائی اور قرآنِ کریم کے غیر مخلوق ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا۔ جب کہ خلیفۂ وقت اور اس کی ہاں میں ہاں بھرنے والے قرآن کو مخلوق گردانتے تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ مخلوق سے متعلق صفات سے قرآن حکیم کو متصف قرار دینا تھا۔ خلیفہ مامون الرشید نے حضرت امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صادر کیے ہوئے فتوے کی مخالفت اتنی شدومد سے کی کہ انہیں فتویٰ واپس لینے پر مجبور کیا گیا اور فتویٰ واپس نہ لینے کی پاداش میں حضرت امام پر کوڑے برسائے گئے ار دیگر اہلِ علم کو بھی قرآن کے غیر مخلوق کہنے پر سختیاں جھیلنی پڑیں؛ بلکہ جان سے بھی ہاتھ دھونا

پڑا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے "شرح الصدور" میں امام ذہبی کے حوالے سے بیان فرمایا کہ احمد بن نصر خزاعی جو فنِّ حدیث کے امام گزرے ہیں ان کو خلیفہ واثق باللہ نے خلق قرآن کا قول کرنے پر مجبور کیا اور جب آپ نے انکار کیا تو بڑی بے دردی سے آپ سولی پر لٹکا دیئے گئے، لیکن ان تمام ناگفتہ بہ حالات کے باوجود حق اپنے آب و تاب اور کرّوفر کے ساتھ غالب رہا۔

معتزلہ جیسے گمراہ فرقے کے غلط عقائد وافکار کی وجہ سے متکلمین نے اس مسئلہ کو کلیدی مسئلے قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ کلام کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ قدرے بسط و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور بطورِ نتیجہ جلی حرفوں میں واضح کر دیا گیا ہے کہ القرآن کلام اللہ غیرِ مخلوق قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے، قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی اور غیر مخلوق کے ثبوت کے لیے چند امور کی تنقیح ہو جانا ضروری ہے تاکہ مسئلے کی وضاحت میں کافی مدد مل سکے۔ مثلاً (۱) اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام فرمایا اس کی نوعیت کیا ہے؟ (۲) حضرت جبرئیل جو کلامِ الٰہی لے کر آئے اس کلام کی حقیقت کیا ہے؟ (۳) مصاحف میں لکھا ہوا اور پڑھا جانے والا قرآن کیا اللہ عزوجل کی صفت اور قدیم ہے؟

اس طرح کے نکات پر روشنی ڈالنے اور مسئلے کی تشفی بخش تفہیم کے لئے متکلمین ومتقدمین نے کلام کی دو قسمیں نکالیں ہیں: (۱) کلام نفسی (۲) کلام لفظی۔ مسئلہ دائرہ میں پڑنے والے بعض اعتراضات کے دفاع اور مسئلے کی وضاحت کے لئے متکلمین متاخرین نے نفسی اور لفظی میں قدیم وحادث کی اصطلاح وضع کی۔ اس طرح یہ مسئلہ پھیلتا گیا اور عقولِ متوسطہ والوں کے لئے الجھن کا باعث بن گیا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی خداداد صلاحیت سے جہاں گوناگوں علوم وفنون کے لاینحل مسائل کا حل پیش فرمادیا وہیں علمِ کلام کے پیچیدہ مسائل کی بھی ایسی عقدہ کشائی فرمائی کہ آدمی خوشی سے جھومنے لگتا ہے، آنکھیں سرور کے نیر بہاتی ہیں اور دل اُن کی خداداد عظمت وصلاحیت کا بار بار اعتراف کرنے لگتا ہے اور یہ شعر زبان پر لائے بغیر نہیں رہا جاتا۔

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

اس وقت راقم کے پیشِ نظر مجدّدِ اعظم کا رسالہ "انوار المنان فی توحید القرآن" ہے جو ۱۳۳۰ھ میں تصنیف کیا گیا ہے، یہ رسالہ عربی زبان میں ہے ہم یہاں بقدرِ ضرورت بعض مباحث کی تلخیص پیش کر رہے ہیں: علمائے کرام نے وجودِ شئی کے چار مراتب قرار دیے ہیں:

۱۔ وجود فی الاعیان (خارج میں پایا جانے والا وجود)

۲۔ وجود فی الاذھان (ذہن میں پایا جانے والا وجود) جیسے زید کی اس صورت کا حاصل ہونا جو ذہن میں ذاتِ زید کے ملاحظے کا ذریعہ ہو۔

۳۔ وجود فی العبارۃ (عبارت میں وجود) جیسے اپنی زبان سے کہے زید۔

۴۔ وجود فی الکتابت (کتابت میں وجود) جیسے لفظ زید جب لکھا جائے۔

ہمارے ائمہ اسلاف کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ چاروں قسمیں قرآنِ عظیم کے وجود پر حقیقتاً صادق آتی ہیں۔ تو وہ قرآن جو اللہ عزوجل کی صفتِ قدیم ہے اور ذاتِ باری کے ساتھ ازلاً وابداً قائم ہے اور جو نہ عینِ ذات ہے نہ غیر ذات، نہ خالق نہ مخلوق، وہ بعینہ وہی ہے جو ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا اور ہمارے کانوں سے سنا جاتا، ہماری سطروں میں لکھا جاتا، اور ہمارے سینوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے، جو قرآن پر دال ہے بلکہ یہ سب قرآن کریم کے تجلیات ہیں اور قرآن حقیقتاً ان میں متجلیٰ ہے۔ نہ وہ ذاتِ باری سے منفصل نہ محدثات میں سے کسی حادث سے متصل تو اس کی ذات میں قرآن کو حلول ماننا باطل کسی بھی طرح کے حدوث کا اس کے دامنِ قِدم تک پہنچنا ناممکن۔

۱۔ مجددِ اعظم امام احمد رضا نے چند روایات کو سامنے رکھ کر اس مسئلے کی بڑی عمدہ وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ ابنِ اسحاق، ابو نعیم اور بیہقی کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بیان فرمائی: حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ابوجہل نے اونٹ کی صورت میں دیکھا کہ وہ اس پر حملہ آور ہے اور اس کے بڑے بڑے چنگل ہیں، ابوجہل نے ایسی ڈراؤنی شکل کبھی نہ دیکھی تھی۔ دشمن خدا (ابوجہل) یہ دیکھ کر اپنی ایڑیوں کے بل گر پڑا۔ مجددِ

گرامی فرماتے ہیں: تو کیا کسی کے لیے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ وہ جبرئیل نہ تھے بلکہ جبرئیل پر دلالت کرنے والی کوئی دوسری شئی تھی۔ خدا کی پناہ! وہ تو یقینی طور پر جبرئیل ہی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذاك جبرئیل لو دنانی لاخذته۔ یہ جبرئیل تھے اگر وہ مجھ سے قریب ہوتے تو میں ضرور ان کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ۔۔۔ حالانکہ یقینی طور پر ہمیں معلوم ہے کہ حضرت جبرئیل کی حسین و جمیل صورت اونٹ جیسی نہیں بلکہ ان کے تو چھ سو خوبصورت پَر ہیں جو افق کو گھیرے ہوئے ہیں۔ (انوار المنان، مترجماً وملخصاً)

۲۔ صحابہ کرام نے اپنے سفر بنی قریظہ میں دحیہ بن خلیفہ کو سفید خچر پر سوار ہو کر اپنی جانب متوجہ پایا تو اس کی اطلاع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذاك جبرئیل بعث الی بنی قریظة یزلزل بهم حصونهم ویقذف الرعب فی قلوبهم۔ یہ جبرئیل ہیں جنہیں بنی قریظہ کی طرف اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ان کی عمارتوں میں زلزلے پیدا کر دیں اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں۔

۳۔ حدیثِ جبرئیل میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا، صحابہ میں کوئی اس آنے والے شخص کو پہچانتا نہ تھا، نہ اس پر آثارِ سفر ظاہر تھے۔ سخت سفید کپڑوں میں ملبوس، بال خوب کالے تھے۔ حضور ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: انه جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔

۴۔ نسائی وطبرانی کی روایت میں یہ صراحت ہے کہ حضرت جبرئیل متعدد بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر ہوئے۔ نسائی شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے: کان جبرئیل یاتی النبی صلی اللہ علیه وسلم فی صورة دحی الکلبی اور طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کان جبرئیل یاتینی علی صورة دحی الکلبی ان سب روایتوں کا حاصل یہی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مختلف شکلوں میں متشکل ہوتے ہیں؛ لیکن کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے دحیہ کلبی کی صورت میں ہونے یا اونٹ کی صورت میں ہونے یا آدمی کی صورت میں ہونے سے ان کی حقیقت بدل گئی؟ وہ شئی آخر ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان تمام صورتوں اور شکلوں میں بھی حقیقت نفس الامر میں وہ جبرئیل امین ہی ہیں۔ اور یہ بھی یقین سے معلوم ہے کہ جبرئیل نہ اعرابی ہیں نہ کلبی، تو لامحالہ یہ مختلف صورتیں جبرئیل امین کی تجلیات ہیں جن کے تعدد سے جبرئیل امین متعدد نہیں ہو گئے یوں ہی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جبرئیل پر دلالت کرنے والی دوسری اشیا ہیں۔

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (سورۂ اعراف:۲۰۴) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط (سورۂ مزّمّل:۲۰) اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اُتنا پڑھو۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ ع (سورۂ بروج:۲۱ تا ۲۰) بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے لوح محفوظ میں ہے۔ ان آیات کریمہ میں قرآن ہی کو مقرو (پڑھا جانے والا) کہا گیا، قرآن ہی کو مسموع (سنا جانے والا) کہا گیا، اسی کو محفوظ (حفاظت میں رکھا ہوا) بتایا گیا، اسی کو مکتوب (لکھا ہوا) قرار دیا گیا اور اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہی قرآن ہے، یہی کلامِ رحمن ہے۔ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ اکبر میں فرمایا: القراٰن فی المصاحف مکتوب وفی القلوب محفوظ وعلی الالسن مقرّو وعلی النبی صلی اللہ علیه وسلم منزل، ولفظنا بالقراٰن مخلوق وکتابتنا له وقراءتنا له مخلوق والقراٰن غیر مخلوق۔ ”قرآن مصاحف میں لکھا ہوا ہے، دلوں میں محفوظ ہے۔ زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور قرآن نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا اور قرآن کی تعبیر میں ہمارے الفاظ مخلوق ہیں، ہمارا لکھنا اور پڑھنا مخلوق ہے اور قرآن تو غیر مخلوق ہے۔“ اسی طرح عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی حنفی، امام اجل عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی شافعی، امام السنہ ابو منصور ماتریدی اور امام ابو الحسن اشعری نے تصریح کی ہے۔ پھر امام احمد رضا قدس سرہ نے اس بحث کا جو حاصل و خلاصہ پیش فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں تین چیزیں ہیں:

ا۔ اللہ عزوجل کا کلام قدیم ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے؛ نہ اس کا عین ہے، نہ اس کا غیر اور اسی کلامِ قدیم سے وہ ازلاً وابداً متکلم

ہے۔ اگر کوئی ہم سے اس صفتِ کلام کی کیفیت پوچھے تو ہم جواب میں یہی کہیں گے کہ ہمیں اس کی کیفیت کا علم نہیں اور اس سے زیادہ ہم کچھ نہ کہیں گے اور اس کے علاوہ ہم کوئی مراد نہیں لیتے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی مخالفت معتزلہ، کرامیہ اور رافضیہ جیسے گمراہ فرقے ہی کرسکتے ہیں۔

۲۔ ہماری ذات، ہماری صفات، ہمارے افعال، ہماری آواز، ہمارے حروف اور ہمارے کلمات سب حادث ہیں۔ ان میں قدامت کا شائبہ تک نہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کرتا سوائے چند ناواقف متاخرینِ حنابلہ کے۔

۳۔ وہ کلام جسے ہم نے اپنی زبان سے پڑھا، اپنے کانوں سے سنا، اپنے سینوں میں محفوظ کیا، اپنی سطروں میں لکھا، وہ وہی قرآن قدیم ہے جو ہمارے رب کے ساتھ قائم ہے، ہمارے نبی ﷺ پر نازل ہوا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں مجاز کا کوئی دخل نہیں، نہ اس میں تعدد ہے، نہ تنوع، نہ ہی اشتراک۔ یہی ہمارے ائمۂ سلف صالحین کا مذہب ہے، اس کی مخالفت متاخرین متکلمین کے سوا کسی نے نہ کی۔ ان لوگوں نے معتزلہ کے کلامِ باری کے حدوث پر پیش کیے گئے دلائل کے رد کے لیے کلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا: ایک قدیم دوسرا حادث۔ حالانکہ اللہ عزوجل کے لیے مخلوق کی طرح کلام حادث نہیں مانا جاسکتا۔ یہ حضرات تجلی اور متجلیٰ میں فرق نہ کرسکے۔ نہ یہ حضرات اس نکتہ پر غور فرماسکے کہ خلقِ قرآن کے قائل کی تکفیر عہدِ صحابہ و تابعین سے تواتر کے ساتھ چلی آرہی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ، نے اپنے ملفوظات میں بیان فرمایا: ہم تو کلامِ باری میں لفظی و نفسی کا تفرقہ مانتے ہی نہیں، ہمارے نزدیک دونوں ایک ہی ہیں۔ یہ متاخرین متکلمین کی غلطی ہے۔ (الملفوظ ۴/ ۲۰)

قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی اور قدیم ہونے کا عقیدہ و نظریہ ہی حق و صحیح ہے جیسا کہ اوپر اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا۔ یہ امام احمد رضا قدس سرہ، کے ابحاث سے ماخوذ ہے۔ اس طرح اگر اس موضوع پر ان کے ارشادات کو جمع کیا جائے تو ایک طویل مقالہ تیار ہوسکتا ہے۔ سردست اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

* * * * *

(بقیہ صفحہ نمبر 27 سے ملحق)

امام احمد رضا نے اس طرز کے اور واقعات اپنی کتب ورسائل میں تحریر کیے ہیں اور وعظ و نصیحت میں بیان فرمائے، جس سے یہ نظریہ اخذ ہوتا ہے کہ دعوت کی اہمیت کیا ہے اور اسلوب بیان اور موثر تدبیریں کتنا اثر رکھتی ہیں۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے جو تعلیمات ہمیں عنایت فرمائی ہیں۔ اقوامِ عالم کو اُن سے روشناس کرائیں اور دعوت و تبلیغ کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی روشنی میں اُمّتِ مسلمہ کی مناسب رہنمائی کریں۔

مآخذ

۱۔ "امام احمد رضا اور عالمی جامعات" از: پروفیسر محمد مسعود احمد۔
۲۔ "حیاتِ رضا کی نئی جہتیں" از: غلام جابر شمس مصباحی۔
۳۔ چشم وچراغ خاندانِ برکاتیہ از: پروفیسر محمد مسعود احمد۔
۴۔ مقدمہ، "کہی ان کہی" از: علامہ عبدالستّار ہمدانی، ص ۲۔
۵۔ آل عمران ۳، آیت ۱۱۰
۶۔ تفسیر ابن عباس ۲۹۵۔
۷۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۱۶۹، ج ۹، رضا اکیڈمی۔
۸۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۲۱۵، ج ۹، رضا اکیڈمی۔
۹۔ سنن ابوداؤد الملاح، ص ۵۹۶، ج ۲۔
۱۰۔ سورہ نحل ۱۶، آیت ۱۲۵۔
۱۱۔ جامع الاحادیث، ص ۱۹۴۔ ۱۹۳، ج ۱۔
۱۲۔ جامع صغیر، امام سیوطی، ص ۷۹، ۴، ج ۲۔
۱۳۔ الملفوظ، حصّہ اوّل، ص ۳۲، رضا اکیڈمی۔
۱۴۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۱۵۱، ج ۱۱، پوربندر۔
۱۵۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۱۰۹، ج ۱۱، رضا اکیڈمی۔
۱۶۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۲۶۱، ج ۹، رضا اکیڈمی۔
۱۷۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۲۶۱، ج ۹، رضا اکیڈمی۔
۱۸۔ رسالۃ المحجۃ المؤتمنہ، ص ۹۴۔
۱۹۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۱۳۳، ج ۱۲۔
۲۰۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۱۳۳، ج ۱۲۔
۲۱۔ الملفوظ حصّہ اوّل، ص ۶۳، رضا اکیڈمی۔
۲۲۔ الملفوظ حصّہ اوّل، ص ۳۲۔

علم جفر اور امام احمد رضا

شاد گیلانی (ماہر علم جفر)

جناب محترم گرامی سیّد محمد ریاست علی قادری بریلوی کی وساطت سے مجھے امام احمد رضا کے چند قلمی غیر مطبوعہ رسائل (جفر کے متعلق) دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان رسائل میں علم جفر کے نایاب و نادر قواعد کا خزانہ موجود ہے۔ گو یہ قواعد یونانی ہیں لیکن ان میں جفر کا ایک بحر ناپیدا کنار موجزن ہے۔ اور جفر کے ان رسائل کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاضلِ بریلوی قدس سرہ اس قسم کے عالم تھے کہ ایسے عالم صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ان رسائل پر جابجا اصلاحی نوٹس اور تشریحی الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ جفر کے ان ادق قواعد کو فاضلِ بریلوی قدس سرہ نے اس طرح سے حل کیا ہے جیسا کہ خود صاحب قاعدہ حل کرنے پر قادر تھا۔ اگر جناب فاضل بریلوی قدس سرہ کے خاص ارشادات اور حواشی ان رسائل پر درج نہ ہوتے تو میرا دعویٰ ہے کہ پاکستان کا کوئی فرد ان سے استفادہ نہ کر سکتا تھا۔

ایک چھوٹی سی بات آپ کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ رسائل میں ایک فقرہ ہے۔ "عدد اشاعی اور حرف السر" حاصل کرو لیکن اصل رسالے میں ان دو امور کی تشریح ناقابل فہم ہے؛ مگر فاضلِ بریلوی قدس سرہ نے ان دو امور کی تشریح اس طرح کی ہے کہ آپ اب ان قواعد کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں مگر ٹھہریے۔ ابھی نہیں۔ ابھی آپ اس قابل نہیں ہیں کہ فاضلِ بریلوی قدس سرہ کی مکمل تشریح کے بعد بھی ان قواعد کو سمجھ سکیں۔ میرے اس دعوے کو جھٹلانے والے حضرات میرے سامنے آئیں اور مجھے ذرا بتائیں کہ سوال کس طرح حل کیا گیا ہے۔ میں فاضل بریلوی قدس سرہ کے ارشادات کی روشنی میں ان قواعد میں سے صرف ایک قاعدہ اس طرح آسان لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اب کوئی "کم عقل قسم کا انسان" ان نعمتوں سے محروم رہ جائے تو رہ جائے مگر ذی علم اس مقدس اور پاک علم سے بخوبی استفادہ کر سکے گا۔

فاضلِ بریلوی قدس سرہ ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ علم جفر تمام علوم سے مشکل تر ہے اور سکھانے والے مفقود اور اکابر مصنّفین کو کمال اخفا مقصود۔ فاضلِ بریلوی قدس سرہ نے اس علم کو نہ کسی سے سیکھا اور نہ کسی سے مشورہ و مذاکرہ کے ذریعے حاصل کیا، بلکہ ایک بدوح ملین کہ مزورجات سے ہے حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہ نے ۱۲۹۴ھ میں تذکرہ تعلیم فرمایا تھا۔ حضرت شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی کتابوں سے بھی استفادہ فرمایا۔ ان کتابوں کے مطالعے سے اور اپنی محنت و کوشش سے بغیر کسی کی مدد لیے خود ہی سیکھا اور بفضلہ تعالیٰ اس فن میں مہارت حاصل کی۔ آپ کی کتاب "سفر السفر عن الجفر بالجفر" بہت مشہور ہے جس میں ساٹھ سوال ہیں، یعنی جفر کو واضح کرنے کی کتاب جس نے ایک دوسرے علم زائرچہ کے ایک عظیم سر مکتوم کو بھی واضح کیا ہے جس کی نسبت حضرت شیخ اکبر محی الدین عربی رضی اللہ عنہ کے رسالہ زایرچہ میں ہے کہ زمانۂ شیث علیہ السلام سے اس راز کے اخفا کا حلفی عہد ہے۔ فاضلِ بریلوی قدس سرہ نے "اس فن میں بھی مہارت حاصل کی۔ فرماتے ہیں کہ اس فن پر اقدام کا ائمہ فن نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ چند روز اسماءِ الٰہیہ تلاوت کیے جاتے ہیں۔ مدت موعود میں خوش نصیب بندہ بکرم اللہ تعالیٰ زیارتِ جمال جہاں آرائے حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتا ہے۔ اگر سرکارِ اقدس سے اس فن میں اشتغال کا اِذن ملے، مشغول ہو ورنہ چھوڑ دے۔" فاضل بریلوی قدس سرہ نے ایک ہفتہ اسمائے الٰہیہ تلاوت کیے اور ایک ہی ہفتے میں سرکار کا کرم ہوا جس سے بقول فاضلِ بریلوی قدس سرہ اذن کا استنباط ہو سکتا تھا مگر آپ نے ظاہر پر محمول کر کے ترک کر دیا۔

فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ جفر سے جواب جو کچھ نکلے گا ضرور حق ہو گا کہ علم اولیاءِ کرام کا ہے۔ اہلِ بیت عظام کا ہے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ قاعدہ سمجھنے سے پہلے ضروری معلوم

ہوتا ہے کہ تھوڑی بہت معلومات علم جفر کے متعلق بھی پیش کر دی جائے۔ علم جفر کی دو قسمیں ہیں: جفر آثار اور جفر اخبار، جفر اخبار ہر مجہول امر کو معلوم کرنے کا علم ہے۔ جفر اخبار کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جفر خفیہ۔ (۲) جفر خبریہ۔

جفر خفیہ علم الاعداد کی ایک قسم ہے جو متعدد قواعد سے مزین ہے اس سے ہر سوال کا جواب صرف نفی یا اثبات میں ملتا ہے۔ جفر خبریہ کی بیسیوں قسمیں ہیں اور لاکھوں قواعد ہیں۔ ان قواعد سے ہر سوال کا جواب فقرے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے جو اس سوال کا حتمی جواب ہوتا ہے۔ جس زبان میں سوال کیا جائے اسی زبان میں جواب ملتا ہے۔

جفر الجامع اور جفر مصحف فاطمہ کے سوا۔ لاکھوں حابی قواعد ہیں۔ حروف کا یہ علم۔ تحیر خیز ہی نہیں بلکہ معجز نما بھی ہے ایک مجہول امر کو معلوم کر لینا کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور "کرامت" اس علم کا خاصہ ہے۔

غیب کی بات کو معلوم کر لینا کچھ عقیدت مندوں کے سامنے سراسر ناممکن ہے۔ مگر جب یہ ناممکن بات۔۔۔ ممکن ہو کے رہ جائے تو پھر آپ کے نظریات ہوں گے۔ میں کسی بھی عقیدے سے مناظرہ نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی مجھے ضرورت ہے مگر ایک اصولی بات کہنے سے ہرگز دریغ نہیں کروں گا کہ اس علم کو جھٹلائے گا وہی شخص جو اس علم کی الف۔ ب۔ ت سے بھی ناواقف ہو گا۔ میری پوری زندگی علم جفر کی ریسرچ میں گزری ہے اور میں نے لاکھوں نہ سہی ہزاروں سوال تو ضرور حل کیے ہوں گے جن کا نتیجہ سو فیصد درست رہا۔ ایسے رازہائے سربستہ منصۂ شہود پر آئے جن کو سمجھنا انسانی عقل سے ناممکن تھا۔

گویا جہاں انسانی عقل کی انتہا ہے۔ وہاں سے اس علم کی ابتدا ہے۔ اسی لیے یہ علم کرامت اور معجزہ سے کم نہیں ہے۔ میری تالیف شدہ دسیوں کتابیں اس علم تک پہنچنے کی ابتدائی سیڑھیاں ہیں مگر اس علم کی رفعت عرشِ اعظم تک ہے۔ یہ علم مدینۂ علوم اور بابِ مدینۂ علوم کا علم ہے۔

اس علم کے وہبی قواعد تو رہے درکنار، صرف اکتسابی قواعد کو حاصل کرنے اور سمجھنے کے لیے بھی بڑے ذہن، شعور اور عقل کی ضرورت ہے۔ میرے سامنے بیٹھ کر ایم اے۔ ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی حضرات بھی کئی حسابی مقامات کو سمجھنے سے عاجز رہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کم تعلیم یافتہ حضرات بھی بڑی آسانی سے سمجھ گئے۔ یہ علم محض فضل ربّی ہے اور محمد وآل محمد کا زندہ معجزہ ہے۔ اس علم کے دوچار قواعد جاننے اور سمجھنے والے اپنے علم کی رفعت پر اتراتے پھرتے ہیں مگر لاکھوں قواعد کے سرچشمہ اور منبع کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے بھی بڑے مرتبے اور عرفان کی ضرورت ہے۔

اس علم کے ماہروں نے حتی الامکان اخفا سے کام لیا۔ اس لیے کہ ہر کس وناکس کے ہاتھوں یہ علم ذلیل اور رسوا نہ ہو جائے۔ یہ علم ولایت کی میراث ہے۔ ولایت کی کرامت ہے اور اس علم پر عبور صرف اسی شخص کو ہو سکتا ہے۔ جس کا باطن درخشان ہو۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس علم کے لاکھوں قواعد ہیں۔ مقدر کی بات ہے جسے جتنا مل جائے اور جس کے مقدر میں جتنا علم ہو۔

قائدہ یہ ہے:

اس قاعدہ سے ہر مجہول امر کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ پردۂ راز میں ڈھکے ہوئے امور منکشف ہوسکتے ہیں۔ زندگی کے ہر دور میں اس علم سے صحیح مشورہ لیا جاسکتا ہے۔ اس علم سے بات کا جواب بات میں ملتا ہے جیسے کوئی عالم الغیب ہستی دوبدو جواب دے رہی ہوں اس سے حاصل شدہ جواب سو فیصدی درست آتا ہے۔

اسے میں علم غیب نہ کہوں تو میری بد نصیبی ہے اور اگر علم غیب کہوں تو علمائے اسلام مجھے غیب سے کیا کیا گالیاں نہ دیں گے۔ مسلمان تو اسے ہی عالم الغیب کہتے ہیں جس کے حضور کچھ غائب ہے ہی نہیں، ہو سکتا ہی نہیں اور میں اپنے سر پر کوئی ناجائز فتویٰ تھوپ لینے کی بجائے اس سلسلۂ کلام کو منقطع کر کے قاعدے کی تشریح کرتا ہوں۔

۱۔ سوال بزبان عربی لکھیں شرط یہ ہے کہ اس کے ۴۴ حروف ہوں۔ سوچ سمجھ کر ایسا فقرہ تیار کریں کہ گنتی میں جس کے ۴۴ حروف ہوں۔

۲۔ بعدہٗ بذریعہ نجوم طالع وقت کا استخراج کریں یعنی جس وقت آپ سوال حل کر رہے ہیں اس وقت افق مشرق پر کون سا برج طلوع ہو رہا ہے اور یہ بذریعہ نجوم آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے۔ حاصل شدہ برج یعنی طالع وقت سے چوتھا برج ساتواں برج اور دسواں برج بھی لکھ کر ان کو اس طرح ایک سطر میں لکھیں کہ چوالیس حروف بن

جائیں۔ اگر صرف بروج کے نام لکھنے سے ۴۴ حروف نہ بن سکیں اس طرح لکھیں:

الطالِع فلاں برج السابع فلاں بُرج

العاشر فلاں برج اور الرابع فلاں بُرج

۳۔ اب یہ دیکھیں کہ جس وقت آپ سوال حل کر رہے ہیں اس وقت سے لے کر اس سے پہلے دن کے غروب تک کتنے دقیقے وقت گزر چکا ہے۔ مثلاً آپ دن کے دس بجے صبح سوال کر رہے ہیں اور آپ کو اب کل روز کے مقرب سے لے کر دس بجے دن تک دقیقوں کی تعداد معلوم کرنا ہوگی اور یہ بھی بذریعہ نجوم ممکن ہے۔

۴۔ جس وقت آپ سوال کررہے ہیں معلوم کریں کہ اس وقت کون سی ساعت ہے۔ دن کون سا ہے اور عربی مہینے کی کون سی تاریخ ہے۔

۵۔ جس وقت آپ سوال حل کررہے ہیں اس وقت سے لے کر برج حمل کے یکم درجے تک وقت درجوں میں معلوم کریں یعنی یکم برج حمل سے وقتِ سوال تک کے درجوں کی گنتی کریں۔ یہ بھی بذریعہ نجوم ہی ممکن ہو سکتی ہے۔

۶۔ اسمائے شریفہ لکھیں جو یہ ہیں نور۔ مبین، ہادی اور محیط اور ان کے اعداد بذریعہ ابجد قمری ۴۴۵ ہیں۔ یہ اعداد میں صرف آپ کی آسانی کی خاطر خود لکھ رہا ہوں۔

۷۔ ابجد قطب جس کے ۴۴ حروف ہیں اور صرف اسی قاعدہ میں استعمال ہوتی ہے اس کے اعداد ۶۳۲۲۳ ہیں۔

سوال: (مثال) کیف حال حیاتی فی مستقبل العمر وما العاقبۃ یوم القیامۃ ۴۴ حروف اعداد ۲۴۹۵۔

طالع الوقت الحوت القارب سنبلہ العاشر قوس الرابع جوزا۔

۴۴ حروف اعداد ۳۵۶۲۔

دقائق ماضیہ ۹۸۳

رب الساعۃ المشتری یوم الاربعا ۵ صفر = اعداد ۲۷۶۲

درجات الشمس من الحمل ۲۸۸ اعداد اسمائے شریفہ ۴۴۵

اعداد قطب وہبی ۶۳۶۳ اعداد سطر الرنام ۲۰۳۸

کل میزان۔ ۱۸۹۰۱

ان اعداد سے مربعِ آتشی پُر کریں۔ جس کا قاعدہ یہ ہے کہ کل اعداد میں سے ۳۰ نفی کر کے ۴ پر تقسیم کریں۔ اب دو قسم کے اعداد آپ کو حاصل ہوں گے ایک حاصل قیمت اور دوسرا باقی قیمت۔

حاصل قیمت کے عدد کو مربع کے خانۂ اوّل میں رکھ کر ایک ایک بڑھا کر ۱۶ خانوں تک پر کریں اگر باقی قسمت ایک عدد ہو تو خانہ ۱۳ میں مزید ایک بڑھا دیں۔ اگر باقی قیمت ۲ عدد ہو تو خانہ ۹ میں مزید ایک بڑھا دیں۔

اگر باقی قیمت ۳ عدد ہو تو خانہ ۵ میں مزید ایک بڑھا دیں۔

مُرَبّع کی چال یہ ہے

۱	۱۴	۱۱	۸
۱۲	۷	۲	۱۳
۶	۹	۱۶	۳
۱۵	۴	۵	۱۰

اب ۱۸۹۰۱ کا مربع پُر کریں۔

حاصل قیمت۔ ۳

۴۷۱۷	۴۷۳۱	۴۷۲۸	۴۷۲۵
۴۷۲۹	۴۷۲۴	۴۷۱۸	۴۷۳۰
۴۷۲۳	۴۷۲۶	۴۷۳۳	۴۷۱۹
۴۷۳۲	۴۷۲۰	۴۷۲۲	۴۷۲۷

اب آیئے رقم اشاعی کی طرف۔

حل کر کے لکھ رہا ہوں۔

نام برج	حمل	ثور	جوزا	سرطان	اسد	سنبلہ
رقم اشاعی	م ن س ع	و ز ح د	ج د ا ب	ر ف ص ق	ا ب ج ھ	ن س ع م
نام برج	میزان	عقرب	قوس	جدی	دلو	حوت
رقم اشاعی	ز ح ھ و	ع م ن س	ف ص ق ر	ی ک ل م	ث خ ش ت	ح ھ و ز

سوال حل کرتے وقت آپ کو یہ چار برج ملے تھے۔

حوت طالع = حروف اشاعی ح ھ و ز

سنبلہ سابع = ن س ع م

قوس عاشر = ف ص ق ر

جوزا الرابع = ج د ا ب

مجموعہ الاسرار العشرہ

یہ اعداد مقرر ہیں اور ہر سوال میں تواتر کے ساتھ نظر میں آتے ہیں۔

۳۔۸۔۱۳۔۱۸۔۲۳۔۲۸۔۳۳۔۳۸۔۴۳۔۴۸۔

حرف السر معلوم کرنا

حروف آتش: ا ھ ط م۔ف ش ذ

حروف خاک: ب و ی ن ص ت ض

حروف باد: ج ز ک س ق ث ظ

حروف آب: د ح ل ع ر خ غ

نوٹ: اس قاعدے میں آتشی بادی حروف کی تشکیل اسی طرح سے ہے۔

آپ کا جو اصل سوال ہے ان کے چار حصّے کریں۔

آتشی حروف الگ، خاکی الگ، آبی الگ اور بادی الگ اور ہر ایک عنصر کے اعداد کا مجموعہ الگ الگ کریں۔

حروف آتشی کے مجموعے کو ۹ پر تقسیم کریں اور باقی ہندسہ لکھ لیں۔

حروف خاک کے مجموعے کو ۱۶ پر تقسیم کریں اور باقی کا ہندسہ لکھ لیں۔

حروف باد کے مجموعے کو ۱۲ پر تقسیم کر کے اور باقی کا ہندسہ لکھ لیں۔

حروف آب کے مجموعے کو ۱۵ پر تقسیم کر کے باقی کا ہندسہ لکھ لیں۔

مثلاً آپ کے درج شدہ مثالیہ سوال میں یہ چار باقی اعداد یہ ملے۔

۴۔۱۲۔۸۔۱۱

ان کا میزان کریں، ۳۵ ہوئے سات پر تقسیم کریں۔ باقی ۷ بچے۔(یعنی پورا تقسیم ہو گیا اس لیے باقی سات بچے)

اب آپ کے سوال کے عناصر میں سے ترابی یعنی خاکی حروف کا میزان سب سے زیادہ آیا ہے۔

آپ کا باقی بچا ہوا عدد ۷ ہے۔

خاکی حروف یہ ہیں: ب و ی ن ص ت ض

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷

ساتواں حرف ض ہے لہٰذا حرف السر آپ کے سوال میں ۲۶ یعنی ض ہے۔

شوادر = یہ اعداد مقررہ ہیں اور مسلسل آئیں گے۔

۲۵ ۔ ۲۶ ۔ ۲۷ ۔ ۲۸

آپ کے مربع کا پہلا خانہ ۴۱۷ ہے۔

۷	سات
۱۰	دس
۷۰۰	سات سو
۴۰۰۰	چار ہزار ہے

اسے اس طرح لکھیے۔ ۷۔ ۱۰ ۔ ۷۰۰ ۔ ۴۰۰۰

اس سطر کو عکس کر دیں یعنی ۴ ۔ ۷۰ ۔ ۱۰۰ ۔ ۷۰۰۰

طالع وقت کے حروف اشاعی ح ھ و ز ہیں ان کو اعداد کی صورت میں اس طرح لکھیے ۸ ۵ ۶ ۷:

ح = ۸

ھ = ۵

و = ۶

ز = ۷

ان اعداد کا دور مسلسل چلے گا۔

اب اس خانے کے اعداد کو عکس اور طرد کی صورت میں ۴۴ خانوں میں لکھ لیں۔

طرد و عکس = خانہ اول	۷	۱۰	۷۰۰	۴۰۰۰	۴	۷۰	اسی طرح	۷۰۰۰
عدد اشاعی =	۸	۵	۶	۷	۸	۵	۶	۷
حرف السر =	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶
مجموعۃ الاسرار =	۳	۸	۱۳	۱۸	۲۳	۲۸	۳۳	۲۸
شوادر =	۲۵	۲۷	۲۷	۲۸	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸

میزان

پر تقسیم کریں۔ ۲۹، ۷۵ ، اسی طرح سے حروف بواقی سے حروف لیے میزان کر کے ۲۸ پر تقسیم کریں۔÷۲۸ باقی ۱۳ ۱۹

حرف م د ر ک م غ د ق

نظیرہ ابجدی ظ ص و ذ ظ ن ص ھ

حرف احست ر ک ظ ص ر ز ک ض

جواب م د ر ص ر غ د ھ

ایک بات سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ خانہ ۲ کے نیچے میزان ۷۵ ہے ÷ ۲۸ کرنے سے ۱۹ باقی بچے حرف ق آنا چاہیے تھا مگر نہیں صاحب! ایسا نہیں ہو گا۔ جائے استاذ خالیت والا معاملہ ہے۔

م سے ۱۹ آگے گنے حرف د آیا۔

اسی طرح حرف باقی اس کے نظیرے اور حرف احست سے غور کر کے جواب حاصل کرلیں۔ ان تینوں حروف میں ایک حرف ضرور ناطق ہوگا جو جواب پر بیّن دال ہوگا۔

نقشہ احست

ت	س	ح	ا
ث	ع	ط	ب
خ	ف	ی	ج
ذ	ص	ک	د
ص	ق	ل	ھ
ظ	ر	م	و
غ	ش	ن	ز

احست کے ذریعے حرف اس طرح لیناہے:

مثلاً　الف سے ح
م سے ر
ر سے ظ
ع سے ز

یعنی ایک حرف آگے کا لیناہے۔

اس طرح سے مربع کے صرف ایک خانے سے آپ ۴۴ حروف جواب حاصل کرسکیں گے، جو انشاء اللہ آپ کے ہی سوال کا جامع اور مکمل جواب ہوگا۔ اور اگر آپ چاہیں تو پورے ۱۶ خانوں سے حروف جواب حاصل کرسکتے ہیں۔ گویا ایک سوال کا جواب ۱۶x ۴۴ حروف میں آئے گا۔

ایک بات غور طلب ہے کہ چار قسم کے برج اور چار قسم کی رقم اشاعی آپ کے پاس ہے۔ ان کے تصور کا طریقہ مختلف خانوں پر ہوگا۔ توجہ سے سنیے:

طالع کے خانے، ساتویں برج کے خانے دسویں برج کے خانے چوتھے برج کے خانے

۸	۱۱	۱۴	۱
۱۳	۲	۷	۱۲
۳	۱۶	۹	۶
۱۰	۵	۴	۱۵

یعنی خانہ ۱۔ ۱۲۔ ۶۔ ۱۵ پر طالع وقت کی رقم اشاعی کام کرے گی۔
خانہ ۱۴۔ ۷۔ ۹۔ ۴ پر سابع برج کی رقم اشاعی کام کرے گی۔
خانہ ۱۱۔ ۲۔ ۱۶۔ ۵ پر دسویں برج کی رقم اشاعی کام کرے گی۔
خانہ ۸۔ ۱۳۔ ۳۔ ۱۰ پر چوتھے برج کی رقم اشاعی کام کرے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کا ذہن کھول دے! میں نے حتی الامکان اپنی بساط اور علم کے مطابق جس پر مجھے ناز ہے۔ جناب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدے کی وضاحت مکمل اور مفصل کردی ہے۔ اس پر عبور حاصل کرنا آپ کے مقدر کی بات ہے۔ جناب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچا کر ان کے اس قاعدے پر دماغ سوزی کریں ممکن ہے آپ کامیاب ہوجائیں۔

اعداد اس ابجد سے نکالنے مقصود ہیں اسے ابجد قمری کہتے ہیں:

حروف: ا ب ج د ھ و ز ح ط ی
اعداد: ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

ک ل م ن س۔ ع ف ص ق ر
۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰ ۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰ ۱۰۰ ۲۰۰

ش ت ث خ ذ ض ظ غ
۳۰۰ ۴۰۰ ۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰ ۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

نظیرہ

ابجد قمری کا ہر حرف آمنے سامنے کا نظیرہ کہلاتا ہے۔

الف کا سین نظیرہ
سین کا الف نظیرہ
ب کا عین نظیرہ
ع کا ب نظیرہ
ن کا غ نظیرہ
غ کا ن نظیرہ

علیٰ ھٰذا القیاس

فاعتبروا یا اولی الابصار

فاضلِ بریلوی قدس سرہ علم جفر و تکسیر اور زائرچہ میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ کے پاس اکثر بیرون ملک سے بڑے بڑے علما اس علم کو حاصل کرنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت میں درج ہے کہ حج بیت اللہ کے موقع پر ایک شامی بزرگ نے فاضلِ بریلوی قدس سرہ سے استدعا کی کہ "میں تجھ سے کچھ جفر

میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" فاضلِ بریلوی قدس سرہ سے گفتگو کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ان بزرگ نے فرمایا! "یہاں نہ میرا اب زیادہ قیام ہے اور نہ تیرا۔ خاص اس کی تحصیل کو ہندوستان تیرے پاس آؤں گا۔" وہ تو نہ آئے مگر مولانا سید حسین مدنی صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبدالقادر شامی مدنی تشریف لائے اور چودہ ماہ فاضلِ بریلوی قدس سرہ کے یہاں قیام فرمایا اور علمِ جفر، علمِ اوفاق و تکسیر سیکھے۔ انھیں بزرگ کے لیے فاضلِ بریلوی قدس سرہ نے ایک رسالہ "اطائب الاکسیر فی علم التکسیر" عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا۔ (اس رسالے کے ایک صفحہ کا عکس ناظرین کی دلچسپی کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ فاضلِ بریلوی قدس سرہ کی یہ شان تھی کہ عربی میں زبانی بولتے جاتے تھے اور وہ بزرگ لکھتے جاتے تھے اور اسی لکھنے میں وہ سمجھتے جاتے یہاں تک کہ دستگاہ ہوگئی تھی کہ پانچ سوالوں میں دو کا جواب صحیح نکال لیتے تھے۔ ان بزرگ کے لیے فاضلِ بریلوی قدس سرہ نے علم جفر سے اجازت تعلیم کا سوال پہلے کرلیا تھا۔ جس کا جواب یہ ملا کہ ضرور بتاؤ کہ یہ بزرگ اتنی دور سے سفر کر کے اسی واسطے یہاں آئے ہیں۔ فاضلِ بریلوی قدس سرہ نے جو جداول کثیرہ اس فن کی تکمیلِ جلیل ایجاد کی تھی رخصت کے وقت ان بزرگ کی نذر کردیں اور خود اس فن کے ترک کا قصد کیا جس کی اور وجوہات کے علاوہ ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ایک امیر وکبیر کی بیگم بیمار ہوئیں جن کا مذہب سنّی نہ تھا۔ فاضلِ بریلوی قدس سرہ کے ایک آقازادے حضرت سیدنا شاہ مہدی میاں صاحب کے ذریعے سوال کرایا گیا۔ جواب نکلا کہ سنّت اختیار کریں ورنہ شفا نہیں۔ اس فن کا حکم یہ ہے کہ جو جواب نکلے بلا رو رعایت صاف صاف کہہ دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے یہی لکھ بھیجا۔ اُن کو سنّت اختیار کرنا منظور نہ ہوا اور مرض بڑھتا گیا۔ اب حضرت مہدی میاں صاحب ہی کہ ذریعے سے سوال آیا کہ موت کب اور کہاں ہو گی؟ اپنے شہر یا نینی تال پر کہ اس وقت تبدیل آب کے لیے مریضہ کا وہیں قیام تھا۔ یہ سوال ۸ شوال مکرم ۱۳۲۸ھ کو ہوا۔ جواب نکلا محرم محرم یعنی ماہِ محرم میں موت واقع ہوگی۔ کہاں ہوگی؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے اُن کے شہر کے نام کا پہلا حرف اور اس کے بعد ق اور اس کے بعد دو کا ہندسہ اور آگے لفظ خویش لکھ دیا۔ وہاں کے جفّا ربلائے گئے کہ اس معمّے کو حل کریں۔ انہوں نے حرف نام شہر سے تو شہر مراد لیا اور قاف سے قلعہ اور آگے نہیں چل سکے اس حرف سے شہر مراد تھا اور ق سے قریب اور دو سے حرف ب کہ اول لفظ بیت ہے یعنی موت نینی تال میں نہ ہوگی بلکہ اپنے شہر میں، مگر نہ اپنے محل میں بلکہ قریب بیت خویش دوسری جگہ میں۔ ایسا ہی ہوا تو ۷ار محرم کو اپنے شہر کے ایک باغ میں موت واقع ہوئی جب اس جواب کا شہرہ ہوا اطراف سے جلد بازوں کے خط ذیقعدہ ہی سے اعلیٰ حضرت کے پاس آنے لگے کہ آپ نے تو خبر دی تھی کہ موت واقع ہوگی اور ابھی نہیں ہوئی۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے کہا کہ بھائیو! اگر موت محرم سے پہلے واقع ہو تو جواب غلط ہوجائے گا نہ کہ اس کی صحت کے لیے تم ابھی موت تلاش کرتے ہو اور اس قسم کے طوفان بدتمیزی کے سبب اعلیٰ حضرت نے قصد کرلیا کہ اگر یہ جواب غلط ہوگیا تو اس کے حق میں اتنی محنت کریں گے کہ باذنہٖ تعالیٰ پھر غلطی نہ ہو لیکن بفضلہ تعالیٰ جواب بالکل صحیح ثابت ہوا۔

فاضلِ بریلوی قدس سرہ نے ایک اور واقعہ (ملفوظات اعلیٰ حضرت) بیان فرمایا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم جفر سے کیا کچھ معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ دونوں وقت یعنی ۱۸۳۷ھ میں سلطنت اسلامی کا بڑھنا اور ۱۹۰۰ھ میں امام مہدی کا ظہور فرماتا حضرت شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کے کلام سے اخذ کیے۔ فاضلِ بریلوی قدس سرہ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی رضی اللہ عنہ سے بے حد متاثر تھے اور آپ نے شیخ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شیخ کو کیسا زبردست واضح کشف تھا کہ سلطنتِ ترکی کا بانیِ اوّل عثمان پاشا حضرت شیخ کے مدتوں بعد پیدا ہوا مگر حضرت شیخ اکبر نے اتنے زمانے پہلے عثمان پاشا سے لے کر قریب زمانہ آخر تک جتنے بادشاہ اسلامی اور اُن کے وزرا ہوں گے رموز میں سب کا ذکر فرمایا دیا۔ حضرت شیخ نے خود اپنی قبر شریف کی نسبت فرمایا تھا کہ اتنی مدّت تک میری قبر لوگوں کی نظروں سے غائب رہے گی مگر جب شین سے سین داخل ہوگا تو شیخ محی الدین ابن عربی کی قبر ظاہر ہوگی جب سلطان سلیم شام میں داخل ہوئے تو ان کو بشارت دی کہ فلاں مقام پر ہماری قبر ہے۔ سلطان نے وہاں ایک قبہ بنوایا ہے جو زیارت گاہ عام ہے۔

* * * * *

عقائد حقہ اہلِ سنّت وجماعت

مقتبسہ از تصنیفاتِ اعلیٰ حضرت

مولانا محمد حشمت علی خاں لکھنوی

امام احمد رضا کے وابستگان میں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب علم وفضل شخصیات ہیں۔ شیر بیشہ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں قادری رضوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ امام احمد رضا کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ آپ کے حیات وخدمات کی تفصیل کتاب "سوانح شیر بیشہ اہلسنت" مولفہ مولانا محبوب علی خاں میں بمبئی اور کراچی سے شائع ہوچکی ہے۔ "عقائد حقہ اہلسنت وجماعت" (۱۳۶۴ھ) آپ کی عقائد اہلسنت پر مختصر مگر جامع تصنیف ہے جس میں آپ نے اللہ عزوجل کی ذات و صفات، جان عالم نبی کریم ﷺ پر ایمان، محبت رسول اکرم ﷺ کی علامات، قرآن کریم، اجتہاد و تقلید، خلافت و ولایت، شرک جلی و خفی، کبیرہ گناہوں، کفر اور ارتداد سے متعلق عقائد کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت شیر بیشہ اہلسنت کی ایک دوسری تصنیف "تقریر منیر قلب" انشاءاللہ جلد ماہنامہ معارف رضا میں شائع ہوگی۔ (عبید)

اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَزَّ بُرْھَانُہٗ

مومن بما جاء بہ الرسول کو بہ تصدیقِ قلبی و اقرارِ لسانی امورِ ذیل کا اظہار لازم ہے اور یہی ایمانِ شرعی ہے۔

۱۔ صانعِ عالم جل مجدہٗ واجب الوجود ازلی ابدی ہے۔ اس کا کوئی مثل نہ ذات میں ہے نہ صفاتِ میں؛ تمام کمالات ممکنات اس کی عظمتِ ذاتی کے ظل وپرتو ہیں۔

۲۔ وجوبِ وجود۔ استحقاق عبادت خالقیت باختیار خود تدبیر کائنات کلی و جزوی اس کی ذاتِ مقدس سے مختص ہیں۔

۳۔ حیوٰۃ، قدرۃ، علم، کلام، سمع، بصر، ارادہ، صفاتِ ذاتیہ حق سبحانہ کی ہیں۔ ان سب سے ازلاً متصف ہے۔ باقی صفاتِ فعلیہ، نفسیہ، سلبیہ، اضافیہ ہیں۔

۴۔ کائنات کو خلعتِ وجود بخشنے سے پیشتر ویسا ہی کامل تھا جیسا بعد میں۔ (الآن کما کان)

۵۔ شفائے مریض، عطائے رزق، ازالۂ تکلیف و مصائب بطورِ استقلال وخلق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

۶۔ طبیت، بادشاہ ودیگر اسبابِ ظاہری وباطنی مثلِ دعاو ہمت انبیاء اولیاء بہ عطائے الٰہی بطورِ تسبب امورِ مذکورہ کے منسوب الیہ ہوتے ہیں۔

۷۔ حکیم علی الاطلاق کی صفت حکمت کا تقاضا ہے کہ یہ صفات وافعالِ الٰہیہ در پردۂ اسباب ظہور فرماتے ہیں جیسا کہ بداہۃً معلوم ہے کہ بے شمار اسبابِ معاش و تدابیر مہمات و مدافعتِ امراض مظاہر رزاقیت وغیرہ صفاتِ قدیمہ کے ہیں۔ ایسا ہی شرعاً و کشفاً ثابت ہے کہ مقربانِ درگاہ حق کی دعاو ہمت وبرکت وجودات مبارکہ مظہرِ فیضانِ عنایتِ الٰہی ہے۔ صرف اسباب کو مدِّ نظر رکھنا اور مسبب جل شانہ کی قدرتِ کاملہ کا نہ ماننا یا قدرتِ کاملہ کو بعض اسباب میں ہی منحصر ومحدود کرنا کفر ہے۔ اور اسباب کا کلیۃً نفی کرنا ابطال حکمت قدسیہ کے علاوہ سعادت دین و دنیا سے محروم رہنا ہے۔ اور اسبابِ ظاہری وباطنی (اولیائے مقرّبین) کو جلوہ گاہِ صفات الٰہیہ مان کر ان سے مستفید اور مستفیض ہونا بصیرت اور کمال ایمان کا نشان ہے۔

۸۔ جوہر، عرض، جسم، مکان، زمان، جہت، حرکت، انتقال، تبدیل ذاتی وصفاتی، جہل، کذب ممکنات سے مختص ہیں۔ ذاتِ حق پر یہ سب محال بالذات ہیں۔

۹۔ استوا علی العرش، ضحک، وجہ، ید وغیرہ صفاتِ منصوصہ کذائی مثل صفات ثمانیہ، سمع، بصر، علم، ارادہ، کلام۔ قدرت، حیوٰۃ۔ تکوین بے چون وبے چگون ہیں۔

۱۰۔ ادراکِ حقیقتِ الٰہیہ میں انبیاو اولیا عاجز ہیں۔ تجلیاتِ ذاتی واسمائی نصیب انبیاو اولیا حسب المراتب دنیا میں ہوتی ہیں۔

۱۱۔ رویتِ ذاتِ حق آخرت میں اہلِ جنت کے لیے ثابت ہے بلا کیف وبلا جہت۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال واعمال کا خالق اور مرید ہے، لیکن راضی بالکفر والمعصیت نہیں ہے۔

۱۳۔ تمام خیر وشر خالق الکل جلّ شانہ کے ارادہ و خلق وتقدیر سے ہے جو ازل میں مقرر ہو چکا ہے وہی ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن راضی صرف خیر پر ہے۔

۱۴۔ تقدیر سے بندہ مجبور نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نیکی اور بدی کا راستہ بتا کر اپنے اپنے افعال میں گونہ اختیار دیا ہے، جس کے سبب انسان اور حجر و شجر میں فرق بدیہی ہے۔ جسے اصطلاحاً کسب کہتے ہیں۔ اسی کسب کے سبب وہ جزا اور سزا کا مورد ہے۔

۱۵۔ جبر جو منافیِ جزا ہو اور قدر جو شرکتِ شے کی خالقیت میں قادر مطلق سے پیدا کرے باطل ہیں۔ زیادہ خوض و بحث اس مسئلے میں ممنوع ہے۔ امورِ مذکورہ پر ایمان لانا باعثِ نجات ہے اور ان کا انکار ہلاکت پس عقلمندی و سعادت یہ ہے کہ حصولِ نجات کی فکر ہو۔

۱۶۔ بے نیاز ہے کسی کا اُس پر حق نہیں ہے۔ مگر جو اپنے فضل سے وعدہ فرمالے وہ ضرور وفا فرماتا ہے۔

۱۷۔ اس کے تمام افعال حکمت و مصلحت پر مشتمل ہیں، لیکن اس سے کوئی غرض یا نفع عائد بذاتِ مقدس نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی شے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ قبح و ظلم وسفہ وعبث سے اس کے افعال منزّہ ہیں۔

۱۸۔ مومن کو دینِ حق پر انشراح عطا فرمانا اور اسے قبول کرنا اور اس کے موافق اعمال واحسان کی توفیق عطا فرمانا اس کا فضل ہے اور کافر کو صرف عقل وحواس عطا فرما کر تبلیغ انبیا کا اس کے ذہن پر واضح فرمانا اور توفیق سے محروم رکھنا جناب ربّ العزّۃ کا عدل ہے۔

۱۹۔ صفت عدل و فضل کی چھ (۶) صورتیں ہیں۔ جن کا اعتقاد کرنا مومن پر فرض ہے: (۱) حق سبحانہ تعالیٰ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرماتا۔(۲) کسی کے اعمالِ حسنہ سے ذرّہ بھر نقصان نہیں فرماتا۔ (۳) کسی کو بغیر گناہ عذاب نہیں فرماتا۔(۴) اس کا فضل ہے کہ اپنے مسلمان بندوں پر جو مصیبت بھیجے اس میں بھی ان کے لیے اجر رکھتا ہے۔(۵) کسی طاعت یا معصیت پر جبر نہیں فرماتا۔(۶) فوق الطاقۃ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

۲۰۔ افعال کا باعثِ ثواب وعقابِ اُخروی ہونا صرف اسی کے حکم سے ہے، اس میں عقل کو دخل نہیں ہے۔ بعض کی حکمت کو عقل ادراک کر سکتی ہے اور اکثر میں اخبارِ انبیا کی محتاج ہے۔

۲۱۔ ہر ایک صفتِ الٰہی بالذات واحد اور بحسب التعلق غیر متناہی۔ متعلقات حادث ہیں اور اس کی صفات قدیمہ ہیں۔

۲۲۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کے بہت نام ہیں جن کی خبر اسی نے اپنے کلامِ پاک میں دی ہے۔ اہلسنّت کے نزدیک دعا وذکرِ الٰہی انھیں اسما سے ہونا چاہیے جو شرع مطہر میں وارد ہیں یہ سب اسما کلام الٰہی کے مانند قدیم ازلی ابدی ہیں اور عباد کا اپنی زبان پر لانا یا لکھنا حادث ہے۔

۲۳۔ اہلِ سنّت کا اجماع ہے کہ جس اسم کے معنیٰ میں تنقیصِ شانِ الوہیت ہو، اس کا ذاتِ حق پر بولنا کلمۂ کفر ہے۔

۲۴۔ وحدتِ وجود حسبِ تقریرِ محققین حق ہے۔ شریعتِ حقہ کی اصل کے منافی نہیں ہے۔ فرقِ مراتب وحفظِ احکام ضروری ہے۔ جو صفات مستلزم مرتبۂ الوہیت کے ہیں ان کا مراتبِ سافلہ پر اطلاق کرنا اور بالعکس کفر ہے۔ جس طور پر یہ مسئلہ اکابرِ اسلام پر مکشوف ہوا ہے۔ اور اولیائے متشرعین نے حتی الامکان بیان فرمایا ہے۔ بحفظِ حدودِ شرعی اس پر اعتقاد رکھنا باعثِ تکمیلِ ایمان اور اس کا انکار خسران وحرمان ہے۔

اَلْاِیْمَانُ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ

۱۔ اسلام و ایمان کا رکنِ اعظم جس کے بغیر کسی حالت میں بندہ مومن یا مسلم نہیں ہو سکتا۔ حضور سرورِ عالم ﷺ کے تمام کمالات ثابتہ بالنص الصریح کی تصدیقِ قلبی واقرارِ لسانی ہے۔ اور آپ کی تعظیمِ ظاہری و باطنی سے ہر حالت میں متّصف رہنا تمام اعمال وعبادات کی قبولیت کا اصلِ اصول ہے۔

۲۔ آپ تمام انبیائے کرام سے افضل اور سب کے سردار ہیں۔

۳۔ میثاق توحید الٰہی وربوبیت ذات حق جیسا تمام بنی آدم سے لیا گیا ویسا ہی سرورِ عالم ﷺ کی اطاعت اور تعظیم کا تمام انبیا سے مؤکد طور پر عہد لینا باخبارِ الٰہی منصوص ہے۔

۴۔ (الف) آپ خاتم الانبیا ہیں۔ نہ تو آپ کے زمانے میں اور نہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو سکتا ہے۔ حضور کے وصف خاتم النبیین کے یہی معنیٰ ضروریاتِ دینیہ سے ہیں کہ حضور سب سے پچھلے نبی ہیں اس معنیٰ کو نا سمجھ لوگوں کا خیال بتانا یا حضور کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی اور کو نبوت ملنی واقع یا جائز کہنا کفر ہے۔(ب) حضورِ اقدس

ﷺ کا علمِ اقدس تمام مخلوقات کے علوم سے اوسع ہے۔ کسی مخلوق کے علم کو علمِ اقدس سے زیادہ وسیع کہنا کفر ہے۔(ج) حضورِ اقدس ﷺ کو جو بعض علمِ غیب ان کے ربِّ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ نے عطا فرمایا انبیا ومرسلین وملائکہ مقربین علیہم الصلاۃ والسلام وجملہ ماکان ومایکون اس کا جزو ہے۔ اس کو یوں کہنے والا کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ ہر جانور ہر چار پائے کو بھی حاصل ہے قطعاً کافر ہے۔

۵۔ تمام انبیا بلحاظ بطون وتربیت روحانی تعین روحی جناب ختمی مآب خلفاء سرورِ عالم ﷺ کے ہیں۔ جیسے ظاہر میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نیابۃً آپ کے فرمان سے اس عہدے پر ممتاز ہوئے ویسے ہی انبیا کرام وجودِ خلعتِ نبوت و افضلیت الانبیا کے آپ کی باطنی شریعت کے نافذ فرمانے والے تھے۔

۶۔ آپ کی اطاعت واتّباع اور محبت فرض ہے اس کے ترک پر عذاب الیم کا وعید منصوص ہے۔

عَلَامَاتُ مَحَبَّةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

۱۔ آپ کی اقتدا اور اتّباعِ سنّتِ اقوال وافعال میں آپ کے اوامر نواہی کی تعمیل۔

۲۔ زبان ودل سے آپ کا ذکر کرنا۔

۳۔ آپ کے جمالِ پاک کا مشتاق ہونا۔

۴۔ دل، زبان اور بدن سے آپ کی تعظیم کرنا۔

۵۔ آپ کے اہلِ بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا اور ان کے ساتھ بغض رکھنے والے سے بغض رکھنا۔

۶۔ آپ کی سنّت کے تارک کو برا سمجھنا۔

۷۔ آپ کی تعظیم جیسا کہ ہر ایک مومن پر ظاہری زیارت کے وقت فرض تھی ویسی ہی اب بھی آپ کی حدیث، فضائل اور نام مبارک سنتے وقت لازم اور ضروری ہے۔ پس ان میں باتباعِ سلف مسلمانوں میں جو مباح وجوہ تعظیم مروجہ ہر ملک ہوں ان کا بوقتِ ذکرِ حضور سرورِ عالم ﷺ بجالانا تقاضائے ایمان ہے اور چونکہ مجالسِ میلاد میں قیام کرنا عشّاقِ درگاہ کا معمول ہو گیا ہے۔ بس ان کا انکار روش سلف کا انکار ہے اور بے بنیاد تعصّب ہے۔

۸۔ جو ممکنات ومخلوقات احاطۂ ربوبیتِ الٰہیہ میں داخل ہیں، سب کی طرف حضور ﷺ مبعوث ہیں۔ پس کوئی حصّۂ مخلوقات آپ کی دعوت سے خارج نہیں ہو سکتا۔

۹۔ جیسا کہ واحد عددی کا بحیثیت اولیت ثانی یا ثالث ہونا محال ہے۔ ویسا ہی بحیثیت عموم دعوت مذکورہ واولیت خلق وختم نبوت وافضلیت مطلقہ وخلافت کبریٰ واولیت فی الشفاعۃ وفی دخول الجنۃ واصالت فی کُلِّ فَضلٍ ووساطت فی کل نعمۃ وغیرہا صفات کثیرہ ناممکن الاشتراک کے آپ کی نظیر محال اور ممتنع ہے۔

۱۰۔ آپ کی صورت مقدسہ بلحاظ جسمیت معروض بعض عوارض بشریہ تھی اور آپ کی روحانیت اوصاف بشری سے برتر اور تغیر وآفات وعیوب ونقائص بشری سے منزہ اور ضعف انسانی سے مبرا اور اعلیٰ صفات ملکیہ سے متصف ہے۔ پس آپ کا علم باللہ وصفاتہ قبل بعثت وبعد بعثت تمام عیوب ونقائص شک وجہل وغیرہ سے امبّرا ومنزہ ہے۔

۱۱۔ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی تین حیثیتیں ہیں: اوّل ظاہر باعتبار سورتِ بشر۔ دوم ملکہ۔ سوم وہ مرتبہ جس کو خدا ہی جانتا ہے۔

۱۲۔ آثارِ شریفہ وآثار سلف صالحین کی تعظیم ضروری ہے اور ان کو ذریعۂ اجابتِ دعا خیال کرنا صدقِ ایمان کی نشانی ہے۔

۱۳۔ بہ نسبت علوم اولین وآخرین آپ کا علم اعلیٰ واکمل ہے اور آخر عمر شریف تک ملکوتِ سماوی وارضی وتمام مخلوقات وجملہ اسمائے حسنہ وآیات کبریٰ وامور آخرت واشراط ساعت واحوال سُعَدا واشقیا وعلم ماکان ویکون پر آپ کا علم محیط ہو چکا ہے۔ تمام علومِ بشریہ وملکیہ سے آپ کا علم اشمل واکمل ہے۔ علمِ الٰہی اور آپ کے علم میں امورِ ذیل فارق ہیں۔(۱) علم الٰہی غیر متناہی بالفعل اور محیط ہے۔ اور حضور ﷺ کا علم متناہی بالفعل وغیر متناہی بالقوۃ اور محاط ہے۔(۲) علمِ الٰہی بلا ذرائع ووسائل ازلی وابدی ہے اور آپ کا علم بذریعہ وحی الہام، کشف، منام و بسط، حواس وبصیرت مقدسہ حادث ہے۔

۱۴۔ آپ کے تمام اخبار واقوال متعلقہ دین ودنیا صادق اور حق ہیں۔ شک ووہم وجہل وغیرہ نقائص ومداخلتِ شیطانی سے منزہ ومبرا ہیں۔

۱۵۔ آپ قبلِ نبوت وبعدِ نبوت کبائر وصغائر سے معصوم اور تمام قبائح بشری سے مبرّا ہیں۔

۱۶۔ بعض افعالِ بلاغیہ و احکامِ شرعیہ میں نسیان و سہو آپ سے بغرض تشریع وافادۂ علم بارادۂ الٰہیہ واقع ہوا ہے اور صدورِ سہو ونسیان منافیِ شانِ نبوت نہیں، بلکہ نسیان و ذہول از ناسوت بوجہ استغراق در لاہوت از قسم کمال ہے۔ جیسا کہ اربابِ بصیرت پر ظاہر ہے۔ البتہ ان کے سہو ونسیان کو اپنے سہو ونسیان پر قیاس کرتا اور بقصد تحقیر آپ کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔

۱۷۔ تمام عوارضِ بشری یعنی مرض، تکلیف بدنی وغیرہ جو انبیاء علیہم السلام کو لاحق ہوتے ہیں۔ ظاہری صورت میں مشابہ عوارض عامہ افراد انسانی ہیں اور بلحاظ نتائج وآثار باطنی و حکمت خفیہ الٰہیہ تمام افراد بشر کے عواض سے برتر اور اعلیٰ ہیں۔ مثلاً تکالیف امراض انبیاء علیہم السلام سے نتیجہ اظہار احوال عالیہ مثل صبر، رضا، شکر، تسلیم، توکل، تفویض، دعا، تفرع اور موعظتِ اُمت بوقت الحوق عوارض کذائیہ بہ تحصیل امورِ مذکورہ ہے۔ پس اپنے عوارضِ انبیا کو خیال کرنا سخت بے ادبی اور بعض حالات میں جبکہ تحقیر لازم آئے کفر ہے۔

۱۸۔ حضور سیّد الانبیا ﷺ کا مغیبات پر مطلع ہونا آیات واحادیث سے بالتواتر ثابت ہے۔ منکر اس کا منکرِ قطعیات ہے۔

۱۹۔ آپ روضۂ منورہ میں مثلِ دیگر انبیا علیہم السلام زندہ بحیات حقیقۃ دنیاویہ جسمانیہ ہیں۔ خاکساران اُمّت کے حالات پر مطلع اور عاشقانِ درگاہ پر ہر لحظہ متوجہ ہیں اور احوالِ امّت پر حاضر وناظر ہیں۔

۲۰۔ زیارتِ روضۂ منورہ اعظم السعادات ہے۔ انکار اس کا بدعات بدترین میں سے ہے۔

۲۱۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے سید المحبوبین ﷺ کی ذاتِ پاک کو معجزات ذیل وغیر ہاسے مخصوص فرمایا: (۱) معراجِ جسمانی بحالت بیداری حرم شریف سے بیت المقدس کی طرف اور امامتِ انبیاء کرام اور سیر سماوات وآیات کبریٰ وجنت ونار وغیرہ۔ (۲) اپنا جمالِ پاک حضور ﷺ کو بچشم ظاہر دکھایا (۳) شق القمر (۴) ستون مسجد شریف کا آپ کے فراق میں گریہ وزاری کرنا (۵) احجار واشجار کا آپ پر سلام کرنا اور تصدیقِ نبوت کرنا (۶) آپ کی انگشت ہائے شریفہ میں سے پانی جاری ہونا اور ایک پیالہ پانی سے لشکر کا سیراب ہونا (۷) آپ کی برکت سے قلیل طعام کا اس قدر بڑھنا کہ ہزارہا آدمی سیر ہوجائیں۔ (۸) بکری مذبوحہ کا آپ سے کلام کرنا (۹) مذکورہ معجزات و دیگر خوارق مثلِ احیائے اموات جو احادیث سے ثابت ہیں بلا تاویل حق و نفس الامری ہیں۔

۲۲۔ تمام معجزات سے اعلیٰ واقویٰ وادوم قرآن شریف ہے جس کے مقابلے سے تمام مخلوقات عاجز ہے۔ قرآنِ مجید کی ترکیب لفظی ومحاسن معنوی واخبارِ غیبیہ تمام معجز ہیں۔

مَاجَاءَ بِهٖ سَيِّدُ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ اَفْضَلُ صَلَوَاتِ رَبِّ الْوَرٰى

۱۔ حضور مظہر اللہ الاتم سر اللہ الاعظم ﷺ پر وحی کئی قسم کی ہوئی ہے۔ علاوہ وحی ملکی کے دو اور قسم بھی ہیں جن میں فرشتے کو دخل اور توسط نہیں ہوتا۔

۲۔ قرآن شریف کلامِ نفسی قدیم ازلی ابدی ہے۔ جو بالباس اِصوات وحروف جلوہ گر ہے۔ اور بذریعہ مَلکِ مقرّب حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور محبوب حق علیہ وعلی آلہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوا۔

۳۔ احادیث شریفہ قدسیہ ثابتہ باستنادِ صحیح وہ وحی ہے جو کبھی بتوسط کذای اور کبھی بلا توسط کذای حضور ﷺ پر وارد ہوئی۔

۴۔ ہر دو وحی سے جو معنی قطعاً ثابت ہیں، حق ہیں۔ کوئی شبہ نہیں۔ اس میں سے بعد علم وثبوت قطعی کسی بات کا انکار اگرچہ درپردہ تاویل باطل ہو کفر ہے۔ اور ظنی الثبوت یا ظنی الدلالۃ کا بلا وجہ انکار بدعت یا فسق ہے۔

۵۔ امورِ ذیل کو حق ماننا ضروری ہے۔ (۱) حشر اجساد واعادۂ روح انھیں اجساد میں جو دنیا میں تھے۔ (۲) جزائے اعمال خیر وسزائے شر۔ (۳) صراط دوزخ پر ممتد ہے جس پر سب کو چلنا ہوگا۔ اہلِ نار کٹ کر دوزخ میں گر پڑیں گے اور اہلِ جنّت اس پر گزر کر جنّت میں پہنچیں گے۔ (۴) حسابِ اعمال، میزان، جنّت، نار اور یہ دونوں آخر الذکر اسوقت موجود ہیں جن کی جگہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ جانتا ہے۔ (۵) شفاعتِ رسول اللہ ﷺ بحق اہلِ کبائر حق ہے اور آپ کی شفاعت مقبول ہے جہاں آیاتِ شریفہ میں نفی شفاعت واقع ہے وہ مقید بعدمِ رضا واجازتِ الٰہی ہے۔ (۶) عذاب القبر کافر کو اور نعمت وراحت مومن صالح کو قبر میں حق ہے اور عصات مومنین مشیتِ الٰہی پر ہیں، جسے چا

ہے عذاب فرمائے جسے چاہے نعمت بخشے۔(۷) سوال منکر و نکیر جس سے خدا چاہے ضرور ہونے والا ہے۔(۸) تمام رُسُل وانبیا من جانب اللہ حق ہیں۔(۹) ملائکہ اجسامِ نوری ہیں عوارض ظلمانی سے منزہ ہیں ان کے مقامات آسمان پر مقرر ہیں۔ کوئی کائنات سماوی وارضی پر مقرر ہیں اور بعض کتابِ اعمال بنی آدم پر اور بعض عباد کے دل میں خطراتِ صالحہ القا کرنے پر اور بعض حفاظت بنی آدم پر ان کے مقابلے میں مخلوقاتِ الٰہی میں سے شیاطین ہیں جو خیالاتِ فاسدہ کا القا کرتے ہیں۔ قربِ قیامت میں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا ظاہر ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور قتلِ دجال و قتلِ خنازیر کرنا اور پھر دینِ واحد کا ہو جانا سب حق ہے۔(۱۰) کل انبیا علیہم الصلوۃ والسلام اور جو آسمانی صحیفے ان پر نازل ہوئے سب حق ہیں۔

اَلْاِجْتِهَادُ فِی الدِّیْنِ وَ تَقْلِیْدُ الْمُجْتَهِدِیْنِ

۱۔ عامۃ الناس جو درجۂ اجتہاد سے بے بہرہ ہیں، تمام احکام فرعیہ غیر منصوصہ قطعیہ میں تقلیدِ مجہتد پر مامور ہیں۔

۲۔ منصبِ اجتہادِ مشروط بشرائط ذیل ہے: (۱) علمِ قرآن پر بقدرِ آیاتِ احکام حاوی ہو۔(۲) احادیثِ متعلقہٗ احکام سے واقف ہو۔ (۳) علم عربیت، لغت، صرف ونحو، معانی وبیان وغیرہ میں کامل ہو۔(۴) مذاہبِ سلف سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔(۵) قیاس کے اصول اور قواعد میں ماہر ہو اور علاوہ اس کے ورعٰ وتقویٰ میں اعلیٰ درجہ پر ممتاز ہو۔ استنباطِ احکام میں مداخلتِ نفس وہوا سے محفوظ ہو۔

۳۔ جس میں ان صفات کی کمی ہو، خواہ کیسا ہی عالم کیوں نہ ہو تقلید کرنے کا پابند ہے۔ ان شرائط سے کس شخص کا متصف ہونا اس کے آثار اجتہادی اور تدقیقات فقہی واعمال واخلاق متفقہانہ سے ظاہر ہو سکتا ہے، جو عوام وخواص امت پر ظاہر ہو کر تمام اہلِ انصاف کے ذہن میں اس کی عظمت کو مرکوز کرتے ہیں جیسا ہر فن کے مشاہیر کی اعلیٰ مہارت بلحاظ آثار ظاہرہ عامۃ الناس سے خواص تک سب کے نزدیک کالبدیہ ہوتی ہے ویسا ہی جب کسی عالم متقی کے آثار اجتہادی اس قدر ظاہر ہوں کہ خواص وعوام اس کے لیے منصب اجتہاد تسلیم کرنے پر مجبور ہوں تو وہ مجتہد مسلم ہو تاہے۔

۴۔ امت مرحومہ ائمہ اربعہ کا اجتہاد ان کے سب معاصرین ولاحقین سے اعلیٰ مانا گیا ہے اس کی وجہ وہی آثار علمی اور علامات زہد و تقویٰ ہیں۔ جس سے آج تک ہر طبقہ کے لوگ ان کو مجتہد تسلیم کرتے آئے ہیں۔

۵۔ ان میں سے اماالائمہ سراج الامت امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رئیس المجتہدین تسلیم ہو چکے ہیں۔

۶۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کے تلامذہ و مقلدین میں ایسے اکابرِ اسلام پیدا کیے، جنہوں نے حضور امام رضی اللہ عنہ کے مخرجہ مسائل اور اصولِ مقررہ کو تالیفات و تصنیفات میں کمال تنقیح سے بیان کیا جو آئندہ تازہ واقعات وصُوَرِ متجددہ میں دستور فیصلہ مقرر ہوئے۔

۷۔ کمالاتِ علمی وفیضانِ انوار بطفیل حضرت امام ان علماءِ فقہ پر اسی صَبْغَۃ الٰہیہ سے ہوا ہے جس کے سرچشمہ رئیس المجتہدین تھے۔ بنابریں حضرت امام محمد وامام ابو یوسف رحمہم اللہ باوجو تقلید فی الاصول والفروع مختلفہ اقوال امام میں بحضور امام خلاف قول مستقر امام کو ترجیح کے لیے اور بعض کام کو موافق اصول حضور امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ استخراج کرنے کے لیے خود امام الائمہ سے معمور ہوئے ہیں۔ پس صاحبین اور دیگر ان کے ہم منصب جو امام الائمہ کے تلامذہ تھے مجتہدین فی المذہب کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا کام صرف بعض کو بحضور امام قول مستقر امام پر بوقت ظہور دلیل ترجیح دینا اور اصول امام کے مطابق تازہ احکام استنباط کرنا ہے۔

۸۔ ان کے بعد رحمت کا اور ظہور ہوا اور ایسے فقہا پیدا ہوئے جن کا شجر اصول وفروع مذہب حنفیہ میں اس قدر تسلیم کیا گیا کہ وہ نوپیدا شدہ مسائل وجزئیات کو جن کی بابتہ بالصراحت روایات مذہب میں نہ ملیں، اصول و فروع مذہب حنفی سے تخریج کریں جیسے حضرت ابو جعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ سرخسی، فخر اسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں وغیرہ سب مجتہدین المسائل ہیں۔

۹۔ چونکہ تدبیرِ الٰہی اسی رحمت خاصہ کے کامل کرنے پر متوجہ تھی ان فقہا کے بعد ایک اور طبقہ پیدا ہوا جن میں امام ابو بکر احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں۔ ان کے حصہ میں گو کسی قسم کا اجتہاد نہیں۔ لیکن اصول وفروع میں اتنی مہارت ان کو تھی کہ مجمل ذی وجہین مبہم محتمل امرین منقول عن صاحب المذہب اواحد من اصحابہ کی تفصیل کر سکتے

تھے۔ ان کو اصحابِ تخریج کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ ان کے بعد وہ طبقۂ فقہا پیدا ہوا، جو بعض روایات کو بعض پر ترجیح دینے کی لیاقت رکھتے تھے، ان کو اصحاب ترجیح کہتے ہیں۔

۱۱۔ اُن کے بعد تدبیرِ الٰہی اور رحمت نامتناہی سے وہ طبقۂ فقہا پیدا ہوا جو مذکورہ بالا مراتب کے لائق نہ تھے، لیکن روایاتِ متعددہ میں سے اقوائے، قوی، ضعیف اور ظاہر مذہب و روایتِ نادرہ میں فرق کرسکتے تھے۔ جیسے وہ حضرات جن کی کتابیں ہمارے زمانے میں باعث فیض اور عالمگیر قبولیت سے ممتاز ہیں۔ طبقات اربعۂ اولیٰ سے جو مذہب متعین ہوچکا ہے وہ صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع کی کتابوں میں کمال تنقیح سے مذکور ہے۔

۱۲۔ ان کے بعد علما و فقہانے انہیں کتابوں پر اعتماد کیا ہے۔ ان کتابوں کو کتب متاخرین سمجھ کر یہ کہنا کہ ان سے مذہب حنفی ٹھیک معلوم نہیں ہوسکتا۔ محض خیالِ فاسد اور بے جابد گمانی ہے۔ یہ کتب دراصل طبقاتِ اربعہ کی قویہ روایات کے راوی ہیں اور ان کا ثقہ ہونا عند الکل مسلّم ہوچکا ہے۔

۱۳۔ متون و شروح و فتاویٰ متاخرین جو معمول بہ و دستور العمل فتویٰ مقرر ہوچکے ہیں۔ بلا شبہ مذہبِ حنفیہ کے مبین ہیں اُن کا خلاف بدعوی عمل بالحدیث بدون منصب اجتہاد گمراہی میں قدم رکھنا ہے۔ صدی چہارم تک مذاہبِ اربعہ خصوصاً مذہبِ حنفیہ کی اس قدر تنقیح ہوچکی ہے کہ کوئی جزئی بلا تحقیق نہیں رہی اور آئندہ کے اغلب واقعات کے جوابات اسی تحقیقات سے برآمد ہوسکتے ہیں۔ اس لیے فقہا کا فتویٰ ہے کہ اب اجتہاد ہوچکا ہے اور اس کے بعد کوئی جدید مجتہد نہیں پیدا ہوا۔

۱۴۔ جس طرح حضور سرورِ عالم ﷺ مبین و مبلغِ احکامِ الٰہی ہیں اور آپ کی اطاعت جزوِ ایمان ہے ویسے ہی رئیس المجتہدین حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ آپ کے حکم وہدایت کے مبلغ و مبین ہیں۔ اس حیثیت سے آپ واجب الاطاعت ہیں۔

۱۵۔ کسی غیر مجتہد شخص کو ائمۂ اربعہ میں سے ایک امام کی تقلید اس طرح پر واجب ہے کہ وہ اس امام کے تمام احکام میں اس کا مقلد ہو۔ کسی مسئلہ میں ایک امام کی تقلید کرنا اور کسی میں دوسرے امام کی تقلید کرنا تلفیق میں داخل ہے اور تلفیق سے تلہی بالدین لازم آتی ہے جو قطعاً حرام ہے۔

۱۶۔ کسی غیر مجتہد کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی رائے سے کسی حدیث متعلق احکام فرعی مرویہ کتب حدیث پر عمل کرے۔

اَلْخِلَافَۃُ وَالْوَلَایَۃُ

۱۔ بعد سرورِ عالم ﷺ سید الاولیا و الخلفا امام الصدیقین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الامت ہیں۔ آپ کے بعد عمر فاروق اکبر، عثمان ذی النورین، و مولی المومنین مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بترتیب خلافت افضل ہیں۔

۲۔ عشرۂ مبشرہ، خاتون جنت، اُم المومنین خدیجہ واُم المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن و حضرات امام حسن و امام حسین و اصحاب بدر و بیعۃ الرضوان رضی اللہ تعالیٰ عنہم طاہر مطہر قطعی جنتی بلکہ گنہگاران اُمت کے تکیہ گاہ ہیں۔

۳۔ (الف) تمام صحابہ خصوصاً اہلِ بدر و اہل بیعت الرضوان نجوم ہدایت ہیں۔ ان میں سے کسی پر طعن کرنا رفض و استحقاق وخولِ نار ہے۔ ان سب کی تعظیم و توقیر امت پر فرض اہم ہے۔ یہ سب اولیائے امت کے سردار اور بباعث شرفِ صحبت ولایت خاصہ پر ممتاز ہیں۔ ان سے کرامات ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک ولی سے ظاہر ہوسکتی ہیں۔ (ب) فتح مکۂ معظّمہ کے بعد جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مشرف باسلام ہوئے، ان سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم افضل ہیں جو فتح مکہ معظّمہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، لیکن ان دونوں قسم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ یعنی بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی کرنا رفض و گمراہی ہے۔

۴۔ حقیقتِ ولایت یہ ہے کہ علاوہ ایمان و اعمال صالحہ کے یقین وعرفان اسما وصفات ذات حق بطور وجدان ببرکت ذکر وتلاوت وصوم وصلوٰۃ وہبی طور پر جب عبد صالحہ کو عطا ہوتا ہے تو مقاماتِ ذیل اس کے سینۂ پاک میں پیدا ہوتے ہیں۔ اخلاص، تواضع، توبہ، زہد، صبر، شکر، خوف، رجا، توکل، رضا، فقر، محبت، پس وہ ماسوائے حق سے معرض ہوتا ہے اور خوف ورجائے الٰہی میں مستغرق۔ اس حالت میں ان مقامات کے آثار افراد بشر پر دو طور سے ظاہر ہوتے ہیں۔ خوارق و

تربیت مریدان۔ پس اس کو وحی وعصمت کے بجائے (جو کہ خواص انبیا میں سے ہیں) کشفِ صادق اور گناہوں سے محفوظیت عطا ہوتی ہے، جس کے باعث وارث انبیا وخلیفہ برحق قرار پاتا ہے اور لفظِ ولی کا مصداق ہوتا ہے۔

۵۔ سلاسل صوفیائے کرام جو مسلسل حضور ﷺ سے متصل ہیں ان کے معارف ومقامات من وعن انوارِ رسالت سے ماخوذ ہیں ان میں طرق تربیت مریدین مقامات مذکورہ بنی ہیں اور مشائخ صوفیہ، موصوف کشف صادق سے غائبین کے حال پر مطلع ہو کر ان کی ویسی ہی تربیت فرماتے ہیں جیسی حاضرین کی۔

۶۔ یا شیخ القادر جیلانی شیئاً للہ وغیرہ ظائف کذائیہ بغرض استمداد وطلب ہمت ودعا جائز وثابت ہیں۔ ایسے وظائف کا انکار کرنا جہالت ہے اور ان کو شرک وغیرہ سے تعبیر کرنا ظلم اور ضلالت ہے۔

۷۔ ان کے صورتِ مبارک کا خیال مریدین کے خطرات واحایث نفسی کے دور کرنے میں وہی کام کرتا ہے جو شیطانی کے دور کرنے میں ظلِّ فاروقی۔ ان مشائخ کی صورتِ مثالی جذبات نفس مرید کو مٹانے میں برہانِ قاطع ہے۔

۸۔ طریق استفادۂ باطنی وبیعت جو معمول مشائخ کرام ہے۔ ہر ایک مومن طالب کمال ایمان کے لیے سنّت اور ضروری ہے۔

۹۔ خاص معمولات مشائخ وکیفیاتِ اذکار وریاضات اصولِ دین سے ماخوذ ہیں، بعض اجتہاداً اور بعض کشفاً۔

۱۰۔ ذکر جہر وسّر شرعاً ثابت اور باعثِ قرب وحصول محبتِ الٰہی ہے۔

۱۱۔ حمد الٰہی ونعت سرور کائنات ﷺ ومدح بزرگان واولیا کرام اور اشعار متعلق محبت الٰہی کا خوش آوازی سے سن کر محبت الٰہی کا بھڑکانا شرعاً مباح ومستحسن ہے۔ جبکہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو۔

۱۲۔ عبادات بدنی ومالی کا ثواب ہدیۂ ارواحِ مقدسہ انبیا واولیا دیگر اہل ایمان کرنا ثابت ہے اور اس کا مطلقاً انکار بدعت ہے۔

۱۳۔ بالخصوص بروزِ وفات اولیا ثواب طعام وکلام سے فاتحہ رسانی باعثِ نزول برکات اور تازگی ایمان ہے۔

اَلشِّرْکُ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ جَلِیِّہٖ وَخَفِیِّہٖ

۱۔ شرک وکفر بلحاظِ نتیجہ متحد ہیں۔ دونوں کا مرتکب ابدی عذاب کا مستحق ہے۔

۲۔ حقیقتِ شرک یہ ہے کہ غیر خدا کو واجب الوجود یا مستحق عبادت مانا جائے اور اس کے امارات سے یہ ہے کہ بندگانِ حق تعالیٰ محبوبانِ الٰہی کی ان قابلِ عظمت صفات کو جو عام بنی نوع میں مفقود ہیں (مثلاً کشف بلا وشدت استجابت دعا، تاثیر، تسخیر وغیرہ) صفات جنابِ باری (سُبحٰنہٗ، سُبحٰنہٗ، سُبحٰنہٗ) کے برابر خیال کیا جائے (نعوذ باللہ تعالیٰ) اور بنابریں نہایت عجز نیاز کے افعال ان کے سامنے اسی نیت سے ادا کیے جائیں کہ معاذ اللہ تعالیٰ وہ معبود ہے۔

۳۔ شریعتِ حقہ شرک کو رفع فرماتی ہے اور صفاتِ عباد وصفات ربوبیت میں مابہ الا متیاز ظاہر فرمانا بعثتِ رسل کا متہم بالشان مقصد ہے۔

۴۔ خواص عباد کی صفاتِ مذکورہ کو باطل نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ ان کی حقیقت واقعہ کا اظہار ہے جس سے کہ صفات ربوبیت کی برتری وتقدس ظاہر ہو۔

۵۔ محبوبیت وشفاعت جو کہ تمام ادیان وشرائع میں خواص بشر کے لیے ثابت کی گئی ہے اور اس کو ایسا منصب خیال کرنا کہ جس سے عبد خود مختار ہو کر تصرفاتِ الٰہیہ کو (معاذ اللہ) مزاحمت سے روک سکے شرک ہے اور رضائے الٰہی اور اس کی اجازت پر موقوف سمجھنا اور اس میں در حقیقت عنایتِ الٰہیہ کا ظہور جاننا ایمان وتوحید ہے۔

۶۔ ایسا ہی خوارق وکراماتِ اولیا واشراق باطنی سے ان کو مغیبات پر بلا ذریعۂ عطیۂ الٰہی اس طرح مطلع تسلیم کرنا شرک ہے اور بذریعہ قوای روحانی وناسوتی جو انبیا واولیا کو عطا ہوتی ہے، ان امور کا بتعلیم اللہ تعالیٰ وبعطاء اللہ تعالیٰ مظہر تسلیم کرنا عین ایمان ہے۔

۷۔ صفاتِ عبودیت کو صفاتِ ربوبیت سے شریک کرنے والا مشرک ہے اور اُن کا مطلقاً منکر گمراہ اور مبتدع ہے اور ہر ایک کے حقوق نگاہ میں رکھنے والا صراط مستقیم پر ہے۔ ثَبَّتَنَا اللّٰہُ عَلَیْہِ بِحُرْمَۃِ خَیْرِ مَنْ سَلَکَ عَلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اَلْکُفْرُ وَالْکَبَائِرُ وَالْکُفْرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ الْمُسْتَعَانُ

۱۔ خداوندِ کریم جلّ جلالہ اور اس کے حبیبِ پاک ﷺ پر ایمان کا

اور ان احکام کا جو من عند اللہ یا من عند الرسول ثابت ہوں انکار کرنا کفر ہے۔ ان کا ثبوت تین طور سے ہوتا ہے: (۱) آیت کے معانی جو حسب محاورہ عرب قطعی طور پر مفہوم ہوں۔ (۲) حدیث شریف متواتر کے معانی قطعیہ حسب لغت و محاورہ۔ (۳) اجماع مجتہدین امت راشدہ جو قطعی ہو۔ ان طرق ثلاثہ سے جو بات پایہ ثبوت کو پہنچے مومن پر اُس کا ظاہر اًباطناً تسلیم کرنا ضروری ہے ورنہ بصورتِ انکار صریح بلا تاویل (معاذاللہ) فقہا کے نزدیک مطلقاً ظلمتِ کفر میں مبتلا ہونا ہے اور جو شخص بلاوجہ حق واضح میں بے محل تاویل کو بہانۂ انکار قائم کرے کافر ہے۔

۲۔ ارکانِ ایمان واسلام وضروریات دین میں سے کسی کا انکار قولاً یا فعلاً کفر ہے۔

۳۔ قوائے انسانی کو لفظ ملائکہ واردہ فی النص کا معنٰی مرادی قرار دینا اور قوتِ نظریہ نبی علیہ السلام کو جبرئیل ماننا خلافِ نص واجماع اور کفر قطعی ہے کہ ضروریات دین کا انکار ہے۔

۴۔ حشر اجساد ونعیم جنت کی جس کیفیت سے تفصیل کلام شارع میں وارد ہے بلا تاویل تسلیم کرنا ضروری ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

۵۔ بعدِ بعثتِ سرورِ کائنات ﷺ بعثتِ نبی کو جائز ماننا یا اس کو ختم نبوّت میں مخل نہ جاننا کفر ہے۔

۶۔ بالا طلاق احادیث کا واجب الاطاعتہ نہ سمجھنا کفر ہے۔

۷۔ رسول اللہ ﷺ کی جنابِ پاک میں بے ادبی (معاذاللہ) قولاً فعلاً ہتک یا تحقیر کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

۸۔ قرآنِ عظیم میں تحریف ماننا کفر ہے۔

۹۔ کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل ماننا کفر ہے۔

۱۰۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تکذیب کفر ہے۔

۱۱۔ منکر ان ضروریاتِ دین کے عقائدِ کفریہ کے شرعی ردوابطال کو جھگڑا فساد بتانا کفر ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب

تحریر: **پیرزادہ سیّد اصغر علی شاہ**، ریٹائرڈ جج

صدر شعبۂ دینیات بڑے جیّد عالم تھے اور ہم سب طلبہ جناب مولانا صاحب کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ان کے بارے میں ایک واقعہ قابلِ تحریر یہ ہے کہ جناب ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب سے ریاضی کا ایک مسئلہ حل نہ ہو سکا اور ڈاکٹر صاحب ممدوح نے جرمنی کے سفر کا قصد کیا تاکہ وہاں جاکر اس مسئلے کا حل تلاش کریں۔ جب مولانا سلیمان اشرف صاحب کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ بجائے جرمنی کے بریلی کا سفر اختیار کریں اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم ومغفور سے اس مسئلے کا حل دریافت کریں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کو بہت حیرت ہوئی لیکن مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب نے ان کو مجبور کیا اور اپنے ساتھ بریلی لے گئے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کا تعارف مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کرایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا غیر حل شدہ مسئلۂ ریاضی بیان کیا اور اسی وقت پہلی ملاقات میں وہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اب تو ڈاکٹر صاحب کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس وقت تک عربی تعلیم کا اثر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب پر بہت زیادہ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ مولوی صاحبان کو تو محض عربی کی لیاقت ہوتی ہے اور دیگر مضامین کے بارے میں ان کی معلومات بہت گھٹیا قسم کی ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعے کے بعد سے ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے ڈاڑھی رکھائی اور پابندی سے نماز پڑھنے لگے۔ خود ڈاکٹر صاحب کی ریاضی کی لیاقت مسلّمہ تھی۔ ایک مرتبہ اُن کی پرووائس چانسلری کے زمانے میں ریاضی کے ایک پروفیسر صاحب نے ایک ورلڈ پرابلم کے بارے میں جناب ڈاکٹر صاحب سے رجوع کیا۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ورلڈ پرابلم ہے اور ابھی تک اس کا حل دریافت نہیں ہوا ہے، ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے کمال یہ کیا کہ بلا کسی خاص تیاری کے اپنے دفتر کی میز پر بیٹھے بیٹھے اور بلا کسی کتاب سے مدد لیے ہوئے اس پرابلم کو منٹوں میں حل کر دیا اور یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ انھوں نے انجام دیا، لیکن ہمارے مولانا احمد رضا خاں صاحب علمِ ریاضی میں ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے بھی بازی لے گئے، بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ان کی قوّتِ ایمانیہ نے ان کا ساتھ دیا۔

(بہ شکریہ سہ ماہی "العلم" کراچی، اپریل تا ستمبر ۱۹۷۵ء، سلور جوبلی نمبر)

ترتیب و پیشکش: فرحان احمد قادری

امام احمد رضا مرجع خواص و عوام تھے۔ آپ کے زمانے کے علما و مشائخ، والیانِ ریاست و جج صاحبان آپ کی طرف کثیر مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اپنے روزمرہ کے معاملات میں آپ سے شرعی احکام معلوم کرتے۔ معارف رضا میں ان فتاوٰی کو پیش کرنے کے لیے "جانیے" کے عنوان سے سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس ماہ کا انتخاب فتاویٰ رضویہ کی جدید جلد ۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بطورِ حوالہ متعلقہ صفحہ نمبر (قوسین) میں درج کر دیا گیا ہے۔ (عبید)

شوہر کی اطاعت اور فرض کی ادائیگی

سوال: شوہر کسی کام کے کرنے کا حکم دے اور وقتِ نماز اتنا ہے کہ اگر اس کے حکم کی تعمیل کرے تو پھر نماز کا وقت باقی نہیں رہے گا تو اس صورت میں عورت نماز پڑھے یا حکم شوہر بجالائے؟

جواب: نماز پڑھے ایسا حکم ماننا حرام ہے۔ (صفحہ ۱۰۳)

تین برس کے بچے کی فاتحہ، دوسرے دن یا تیسرے دن

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو، خواہ تیسرے دن، باقی یہ تعیین عرفی ہیں جب چاہیں کریں انھیں دنوں کی گنتی شرعی جاننا جہالت ہے۔ (صفحہ ۱۲۴)

کھانے پر یا شرینی پر بچے کی فاتحہ دے کر مسکینوں کو کھلا دے اس کا میت کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

ضرور جائز ہے اور بیشک ثواب پہنچتا ہے اہلسنت کا یہی مذہب ہے، والصبی لاشك انه من اهل الثواب ونصوص الحدیث وارشادات العلماء مطلقة لاتخصیص فیها، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچہ اہلِ ثواب میں سے ہے (کیونکہ) حدیث شریف کی تصریحات اور علمائے کرام کے ارشادات اس بارے میں مطلق مذکور ہیں (کوئی قید مذکور نہیں۔ مترجم) کہ جن میں کوئی تخصیص نہیں، اور اللہ تعالیٰ پاک برتر اور سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (صفحہ ۱۲۴)

سارق اور بدمعاش بلاتوبہ فوت ہوگیا ہو تو ایسے شخص کے جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کے متعلق حکم

شخص مذکور اگرچہ کیسا ہی فاسق فاجر تھا اگرچہ بے توبہ مرا جبکہ مسلمان تھا، اس کے جنازے کی نماز لازم تھی۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: ہر مسلمان خواہ نیک ہو یا بد، اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی واجب ہے اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو (سنن الکبریٰ للبیہقی) درمختار میں ہے: جب کوئی مسلمان مر جائے تو اس پر نماز پڑھنی فرض (کفایہ) ہے، سوائے چار آدمیوں کے کہ ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے اور یہ ان میں سے نہیں۔ (صفحہ ۱۱۲)

عام راستوں پر جہاں پاکی اور ناپاکی کی تصدیق نہیں ایسی صورت میں نعت و حمد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

اللہ عزوجل فرماتا ہے: فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ جب جمعہ کی نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت ذکرِ الٰہی کرو کہ تم فلاح پاؤ۔ (سورت ۶۳، آیت ۱۰)

جمعہ کے نمازیوں کو حکم ہے کہ جمعہ پڑھ کر باہر نکلو تو زمین میں اپنے اپنے کاموں کو پھیل جاؤ اور ذکرِ الٰہی بکثرت کرو، راستوں میں بھی ذکرِ الٰہی کا یہاں سے صریح حکم نکلا اور جس جگہ کی پاکی، ناپاکی کی تحقیق نہیں وہ پاک ہی ہے یہاں تک کہ اس پر نماز جائز ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی تو میرے امتی کو جہاں کہیں نماز کا وقت آئے نماز پڑھے۔ (صحیح البخاری)۔ (صفحہ ۱۸۱)

گناہگاروں کے واسطے بددعا کرنا

سنّی مسلمان اگر کسی پر ظالم نہیں تو اس کے لیے بددعا نہ چاہیے بلکہ دعائے ہدایت کی جائے کہ جو گناہ کرتا ہے چھوڑ دے۔ اور اگر ظالم ہے اور مسلمانوں کو اس سے ایذا ہے تو اس پر بددعا میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (صفحہ ۱۸۲)

بچہ پیدا ہونے کے بعد پاکی

بچہ پیدا ہونے کے بعد جس وقت خون بند ہو جائے اگر چلّے کے اندر پھر نہ آئے تو اسی وقت عورت پاک ہو جاتی ہے۔ مثلاً فقط ایک منٹ بھر خون آیا پھر نہ آیا تو بچہ پیدا ہونے کے اسی ایک منٹ تک ناپاکی تھی پھر پاک ہو گئی، نہا کے نماز پڑھے، روزہ رکھے؛ پھر اگر چلّے کے اندر خون نہ آیا تو یہ نماز روزے سب صحیح ہو گئے اور اگر پھر آگیا تو نماز روزے پھر چھوڑ دے۔ اب اگر پورے چلے یا اس سے کم پر جا کر بند ہوا تو شروع پیدائش سے اس وقت تک سب دن خون کے سمجھے جائیں گے وہ نمازیں جو پڑھیں بے کار گئیں اور وہ فرضی روزے جو رکھے قضا کئے جائیں گے اور اگر چلّے سے بھی باہر جا کر بند ہوا اس سے پہلے بچہ پیدا ہونے میں جتنے دن خون آیا تھا اتنے دن ناپاکی کے سمجھے جائیں گے باقی پاکی کے۔ مثلا گھڑی بھر خون آیا اور بند ہو گیا پھر پچیس دن بعد آیا اور چالیس دن سے پاؤ گھڑی زیادہ تک آیا کہ شروع پیدائش بچہ سے اس وقت تک چالیس دن پاؤ گھڑی کا عرصہ ہوا تو اس سے پہلے اگر کوئی بچہ نہ ہوا تھا جب تو پورا چلہ ناپاکی کا ہو گا فقط پاؤ گھڑی یا جتنا چلّے سے بڑھا استحاضہ ہے اس میں وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے اور روزہ تو بہر حال روا ہے۔ اور اگر پہلے بچہ پر مثلاً بیس دن خون آیا تھا تو بیس دن ناپاکی کے ہیں باقی دن پاکی کے ہیں ان میں نماز روزے نہ رکھے ہوں قضا کرنے ہوں گے یہ حکم ہے۔ اور عورتوں میں جو مشہور ہے کہ خون آئے یا بند ہو جائے چلّہ پورا ہی کر کے نہاتی ہیں اور جب تک نمازیں قضا کرتی ہیں یہ سخت حرام ہے۔(صفحہ ۳۸۴)

ایک شخص نے طرف کعبہ شریف کے پیر کیے، لیکن اس کو خیال تھا جب اٹھوں گا تو میرا منہ زیارتِ مقدسہ کی طرف ہو گا۔ اس بارے میں حکم

کعبۂ معظمہ کی طرف پاؤں کر کے سونا بلکہ اس طرف پاؤں پھیلانا سونے میں ہو خواہ جاگنے میں، لیٹے ہو خواہ بیٹھے میں، ہر طرح ممنوع و بے ادبی ہے۔ اور یہ اس کا خیال حماقت ہے۔ سنّت یوں ہے کہ قطب کی طرف سر کرے اور سیدھی کروٹ پر سوئے کہ سونے میں بھی منہ کعبہ کو ہی رہے۔ ہاں وہ مریض جس میں اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہیں اس کی نماز کے لیے ایک طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ پائنتی قبلہ کی طرف ہو اور سر کے نیچے اونچا تکیہ رکھ دیں کہ منہ کعبۂ معظمہ کو ہو پھر یہ ضرورت کے واسطے، غیر مریض اپنے آپ کو اس پر قیاس نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(صفحہ ۳۸۵)

گم شدہ شے کے دریافت کرنے کے لیے یسین شریف سے نام نکالا جاتا ہے یا کسی اور طرح چور کا پتا معلوم کرنے کے لیے؟ یہ طریقہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

یہ طریقے نامحمود و مضر ہیں اور ان سے جس کا نام نکلے اسے چور سمجھ لینا حرام۔ قال اللہ تعالیٰ: یا ایھاالذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ (سورت ۴۹، آیت ۱۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے، صحیح مسلم۔(صفحہ ۳۹۶)

درختوں کو پیر صاحب کا کر کے اس کا جلانا اور دیگر استعمال میں لانا حرام سمجھنا اس بارے میں حکم:

درختوں کو رب خواہ عبد کسی کے نام کا ٹھہرا کر ان کا جلانا اور صرف میں لانا حرام سمجھنا اپنی طرف سے شریعتِ جدیدہ نکالنا اور بحیرہ و سائبہ مشرکین کی پیروی کرنا ہے جس پر ردّ و انکار شدید خود قرآن مجید میں موجود، وقال تعالیٰ وقالوا ھذہٖ انعام وحرث حجرلایطعمھا الا من نشاء بزعمھم الی قولہ تعالیٰ سیجزیھم بما کانوا یفترون۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور مشرک اپنے خیال میں کہنے لگے یہ چوپائے اور کھیتی جن کی بندش کر دی گئی ہے ان کو وہی کھائے گا یا کھا سکے گا جسے ہم چاہیں گے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک: عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں سزا دے گا اس جھوٹ کی جو وہ بناتے رہتے ہیں۔ (سورت ۶، آیت ۱۳۹) مسلمانوں پر ایسی بدعت شنیعہ باطلہ سے احتراز فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور جلد توبہ کریں۔(صفحہ ۲۶۱)

کھیتوں سے بھی حصّۂ پیر صاحب کے نام دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

کھیت میں سے حضورِ پر نور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پاک پر حصّہ دینا اگر یوں ہے کہ حضور کو اس حصّے کا مالک سمجھا جاتا ہے یا اس دینے سے تصدق لوجہ اللہ منظور نہیں بلکہ حضور کی طرف تقرب بالذات مقصود یا یہ سمجھتے ہیں کہ یوں نہ کریں گے تو حضور معاذاللہ ناراض ہو کر

مضرت دیں گے کوئی بلا پہنچے گی تو یہ سب اعتقاد باطلہ وفاسدہ وبدعات سیئہ ہیں اور اگر یوں نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے لیے تصدق منظور، تو کھیتوں سے ایسا حصّہ دینا خود قرآنِ عظیم میں مطلوب۔ قال تعالیٰ: واٰتواحقه یوم حصادہ۔ (لوگو!) کھیتی سے (حقداروں کا) حق اس کی کٹائی والے دن ادا کر دیا کرو۔ (سورت ۶، آیت ۱۴۲) اور اس کے روکنے کی مذمت قصہ اصحاب الجنہ میں مذکور۔ قال تعالیٰ :فتنادوا مصبحین o ان اغدوا علی حرثکم ان کنتم صارمین o فانطلقوا وهم یتخافتون o ان لایدخلنها الیوم علیکم مسکین o الاٰیات (سورت ۶۸، آیت ۲۱ تا ۲۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ باغ والے صبح ہوتے ہی سویرے سویرے ایک دوسرے کو بلانے لگے کہ سویرے اپنی کھیتی کی طرف چلو اگر تم اسے کاٹنے کا ارادہ رکھتے ہو پھر وہ چلنے لگے جبکہ وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے کہ آج تمھارے پاس کوئی محتاج نہیں آنا چاہیے۔ (یعنی کسی محتاج کو اپنے قریب نہ آنا دیا جائے)۔

اور اس کا ثواب نذرِ روحِ اقدس کرنا اس عملِ طیب میں طیب وخوبی ہی بڑھائے گا جبکہ کسی عقیدۂ باطلہ کے ساتھ نہ ہو۔ اس صورت میں اسے: وجعلوا للّٰہ مماذرامن الحرث و الانعام نصیبا فقالوا هذا للّٰہ بزعمهم وهذا لشرکائنا ، الاٰیة۔ (سورت ۶، آیت ۱۳۷) یعنی جو کھیتی اور جانور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ان میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک حصّہ مقرر کیا ہے۔ پھر وہ اپنے خیال میں باطل کی بناء پر کہنے لگے یہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ ہے اور ہمارے شریکوں کا، الآیۃ۔ میں داخل سمجھنا محض جہالت وزبان زوری ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں)۔ (صفحہ ۲۶۲،۲۶۱)

خواب میں کوئی ریل میں سفر کرتا ہوا دیکھے، اسکی تعبیر

خواب میں سفر اگر مذموم بات کے لیے نہ ہو تو دلیلِ ظفر اور مرض سے صحت ہے لحدیث سافروا تصحوا (سفر کرو تاکہ تندرست رہو۔)، (مسند امام احمد بن حنبل)۔ (صفحہ ۲۶۷)

بوقتِ نکاح خوشبو لگانا اور پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنا مسنون ہے یا ممنوع

خوشبو لگانا سنّت ہے اور خوشبو کی چیزیں پھول پتی وغیرہ پسندِ بارگاہِ رسالت ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلٰی آلہٖ وبارک وسلم۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: یعنی تمہاری دنیا میں سے دو چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی، نکاح اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی (امام احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی نے سندِ جیّد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے اور فرماتے ہیں ﷺ: یعنی جس کے سامنے خوشبو نبات پھول پتی وغیرہ پیش کی جائے تو اسے رد نہ کرے کہ اس کا بوجھ ہلکا اور بو اچھی ہے (بوجھ ہلکا یہ کہ پیش کرنے والے پر مشقت نہیں کوئی بھاری احسان نہیں) (امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔) اور فرماتے ہیں رسول ﷺ: یعنی چار باتیں انبیائے مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنّتوں میں سے ہیں: ختنہ کرنا اور خوشبو لگانا اور نکاح اور مسواک۔ (امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اسے روایت فرمایا) بخاری شریف میں ہے: یعنی بیشک رسول اللہ ﷺ خوشبو کی چیز رد نہ فرماتے تھے (بخاری، امام احمد، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔)

ہار کہ گلے میں پہنیں ان میں پھولوں سے اسی قدر زائد ہے کہ ایک ڈورے میں پرولیا ہے اور گلے میں ڈالنا وہی خوشبو سے فائدہ لینا ہے اور اپنے جلیس آدمیوں اور فرشتوں کو فرحت پہنچانا ہے کہ کسی برتن میں رکھیں تو اس کا ساتھ لیے پھرنا دقت سے خالی نہیں اور ہاتھ میں لیے رہیں تو ہاتھ بھی رکے اور پھول بھی جلد کملا جائیں، تو اس قدر سے ممانعت وحرمت وناجوازی کس طرف سے آگئی۔ (صفحہ ۳۰۰ تا ۳۰۲)

پھولوں کا سہرا جس میں نلکیاں اور پنی وغیرہ نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

پھولوں کا سہرا جیسا سوال میں مذکور رسوم دنیویہ سے ایک رسم ہے جس کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہیں نہ شرع میں اس کے کرنے کا حکم آیا ہے تو مثل اور تمام عادات ورسوم مباحہ کے مباح رہے گا۔ شرع شریف کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری ہے اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلے نہ برائی وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے کہ اس کے فعل وترک میں ثواب نہ عقاب۔ یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر جگہ کام آئے گا آجکل مخالفین

اہلسنت نے یہ روش اختیار کرلی ہے۔ جس چیز کو چاہا شرک، حرام، بدعت، ضلالت کہنا شروع کردیا اگرچہ وہ فعل صحابۂ کرام یا تابعینِ عظام یا ائمۂ اعلام سے ثابت ہو، اگرچہ وہ فعل اس نیک بات کے عموم واطلاق میں داخل ہو، جس کی خوبیاں صریح قرآنِ مجید وحدیث شریف میں مذکور ہیں پھر سہرے وغیرہ رسمی باتوں کی تو کیا حقیقت ہے اور اس پر طرّہ یہ ہوتا ہے کہ اہلسنّت سے پوچھتے ہیں تم جو ان چیزوں کو جائز بتاتے ہو قرآن وحدیث میں کہاں جائز لکھا ہے حالانکہ ان کو اپنی خوش فہمی سے اتنی خبر نہیں کہ جائز کہنے والا دلیلِ خاص کا محتاج نہیں، جو ناجائز کہے وہ قرآن وحدیث میں دکھائے کہ ان افعال کو کہاں ناجائز کہا ہے۔ کیا اہلسنّت پر لازم ہے کہ وہ جس چیز کو جائز ومباح بتائیں اس کی خاص صورت کا حکم صریح قرآنِ مجید واحادیث شریف میں دکھائیں اور تم پر کچھ ضرور نہیں کہ جس چیز کو حرام، بدعت، گمراہی کہو خاص اس کی نسبت ان حکموں کی تصریح کتاب وسنت میں دکھادو۔ ان امور کی قدرے تفصیل مسئلۂ قیام میں فقیر نے ذکر کی اور تحقیقِ کامل تصانیفِ علمائے اہلسنّت میں ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ مساعیهم الجمیلۃ۔

جب یہ قاعدۂ شرعیہ معلوم ہولیا تو سہرے کا حکم خود ہی کھل گیا۔ اب جو ناجائز، حرام، بدعت، ضلالت بتائے وہ خود قرآنِ مجید وحدیث شریف سے ثابت کر دکھائے ورنہ جانِ برادر! شرع تمھاری زبان کا نام نہیں کہ جسے چاہو بے دلیل حرام وممنوع کہہ دو، اور سفہائے مخالفین جو اس قسم کے مسائل میں حدیث من احدث فی امرنا وغیرہ پیش کرتے ہیں محض بے محل واغوائے جہال کہ اس قدر تو طائفۂ اسمعیلہ کو بھی مسلم کہ بدعت ضلالت وہی ہے جو بات دین میں نئی پیدا ہو اور دنیوی رسوم وعادت پر حکم بدعت نہیں ہوسکتا۔ مثلاً انگرکھا پہننا، پلاؤ کھانا یا دولھا کو جامہ پہنانا، دلہن کو پالکی میں بٹھانا، اسی طرح سہرا کہ اسے بھی کوئی دینی بات سمجھ کر نہیں کرتا، نہ بغرضِ ثواب کیا جاتا ہے بلکہ سب ایک رسم ہی جان کر کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا ہو کہ اسے دینی بات جانے تو اس کی اس بیہودہ سمجھ پر اعتراض صحیح ہے۔ اسی طرح سہرے کے باب میں حدیث من تشبه بقوم فهو منهم (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہوجائے گا۔) (سنن ابی داؤد) پیش کرنا اور یہ کہنا کہ ہندو بھی سہرا باندھتے ہیں تو ان سے مشابہت نکلے گی محض غلط کہ حدیث میں لفظ تشبہ مذکور ہے اور اس کے معنیٰ اپنے آپ کو کسی کے مشابہ بنانا تو حقیقۃً یا حکماً قصدِ مشابہت پایا جانا ضرور ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی فعلِ خاص اس نیّت سے کرے کہ کفّار کی سی شکل پیدا ہو اگرچہ وہ یہ ارادہ نہ کرے مگر وہ فعل شعارِ کفّار اور ان کی علامت خاصہ ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں، جیسے سر پر چوٹیاں، ماتھے پر ٹیکہ، گلے میں جینوا، الٹے پردے کا انگرکھا وعلیٰ ہذا القیاس، تو بیشک ان صورتوں میں ذم ووعید وارد، اور حدیث "من تشبہ" اس پر صادق، نہ یہ کہ مطلقاً کسی بات میں اشتراک موجبِ ممانعت ہو، یوں تو انگرکھا ہم بھی پہنتے ہیں ہندو بھی پہنتے ہیں پھر کیا اس وجہ سے انگرکھا پہننا ہم پر حرام ہوجائے گا اور اگر پردے کا فرق کفایت کرے تو کیا نلکیوں اور پنّی کا نہ ہونا اور اس سہرے کی صورت ان کے سہرے سے جدا ہونا کافی نہ ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ بربنائے تشبہ کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا قصد مشابہت ہو یا وہ فعل اہل باطل کا شعار وعلامتِ خاصّہ ہو جس کے سبب سے وہ پہچانے جاتے ہوں، یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرعِ مطہر سے ثابت ہو تو برا کہا جائے گا ورنہ ہرگز نہیں اور سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے۔ یہ قاعدہ بھی ضرور یاد رکھنے کا ہے جس سے مخالفین کے اکثر اوہام کا علاج ہوتا ہے۔ درمختار میں بحر الرائق سے منقول: اہل کتاب سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں بلکہ بری بات میں اور وہاں کہ ان سے مشابہت کا قصد کیا جائے۔

مولنا علی قاری شرحِ فقہ اکبر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرماتے ہیں: ہم کو یہ منع ہے کہ کفار واہلِ بدعت کے شعار میں تشبہ کریں نہ یہ کہ ہر بدعت منع ہو اگرچہ مباح ہو اب چاہے وہ اہلسنّت کے افعال سے ہو یا کفار ومبتدعین کے فعلوں سے تو مدارِ کار شعار پر ہے۔ بالجملہ خلاصہ یہ ہے کہ سہرا نہ شرعاً منع نہ شرعاً ضروری یا مستحب، بلکہ ایک دنیوی رسم ہے۔ کی تو کیا، نہ کی تو کیا، اس کے سوا جو کوئی اسے حرام، گناہ، بدعت، ضلالت بتائے وہ سخت جھوٹا، بر سر باطل اور جو اسے ضروری لازم اور ترک کو شرعاً موجبِ تشنیع جانے وہ نرا جاہل۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۲)

* * * * *

رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

پروفیسر دلاور خاں

مفکرِ اسلام احمد رضا محدثِ حنفی کو سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہر وردیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ سلسلۂ قادریہ برکاتیہ میں بیعت وخلافت عطا فرماتے۔ بعض روایات میں آپ نے سلسلۂ چشتیہ میں خلافت عطا فرمائی۔ پاک وہند اور حجاز میں تصوّف کے فروغ اور اصلاح میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور مجموعی طور پر بلا تعصّب خانقاہی نظام کے تحفّظ میں مجاہدانہ کردار ادا فرمایا اور تاحیات اس نظام کی پہرے داری کا فریضہ سر انجام دیتے رہے۔ جب کسی خانقاہ کو علمی رہنمائی کی ضرورت پڑی یا کسی صوفی بزرگ کی کسی کتاب پر اعتراض وارد ہوا، آپ نے اس کا مسکت جواب دیا۔ آپ کے روابط تمام ہی سلاسل کی خانقاہوں سے مضبوط تھے۔ یہ ایسا موضوع ہے، جس پر پی ایچ ڈی کے وسیع امکانات ہیں جس سے مشربی تعصّبات کے خاتمے اور خانقاہی روابط مستحکم کرنے میں مدد ملے گی۔ یقیناً یہ استحکام عصرِ حاضر کی پکار ہے۔ (دلاور خاں)

مولانا احمد رضا خاں کے خانقاہی روابط کا تحقیقی مطالعہ

بابِ اوّل

- تعارفِ تصوف۔
- تصوفِ ارتقا۔
- تصوف کے ماخذ۔
- معروف سلاسلِ تصوف۔

بابِ دوم

- خانقاہ کا تعارف۔
- خانقاہی نظام و تعلیم وتربیت
- سلسلۂ قادریہ کی معروف خانقاہوں کا تعارف
- سلسلۂ چشتیہ کی معروف خانقاہوں کا تعارف
- سلسلۂ نقشبندیہ کی معروف خانقاہوں کا تعارف
- سلسلۂ سہر وردیہ کی معروف خانقاہوں کا تعارف

بابِ سوم

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات۔

باب چہارم

مولانا احمد رضا خاں اور خانقاہی روابط

- خانقاہِ برکاتیہ اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ اشرفیہ اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہ قادریہ (بدایوں) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ فردوسیہ (بہار) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ نقشبندیہ (مراد آباد) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ نیازیہ (بریلی) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ نظامیہ (دہلی) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ بھرچونڈی (سندھ) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ درسیہ (کراچی) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ اجملیہ اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ فاخریہ اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ وارثیہ (دیوہ) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ جماعتیہ (علی پور) اور مولانا احمد رضا خاں
- خانقاہِ شیریہ (پیلی بھیت) اور مولانا احمد رضا خاں

باب پنجم

- خلاصہ تحقیق
- حاصل تحقیق
- سفارشات
- کتابیات

مجرباتِ امام احمد رضا

امام احمد رضا ایک عبقری عالم دین ہونے کے ساتھ عظیم روحانی پیشوا بھی تھے۔ تاہم تصوف و روحانیت کے حوالے سے ان کی تعلیمات و خدمات پر اب تک بہت محدود تحقیق ہوئی ہے اور محض چند ہی مضامین اس حوالے سے سامنے آئے ہیں۔ اس موضوع پر کثیر تحقیقی مواد موجود ہے اور ضرورت ہے کہ اسکالرز امام احمد رضا کی حیات کے اس پہلو پر تحقیقات پیش کریں۔ پیشِ نظر سلسلے "مجربات امام احمد رضا" میں امام احمد رضا کی تعلیم کردہ دعائیں، اوراد و وظائف اور نصیحتیں پیش کیے جاتے ہیں۔ عبید

مصیبت زَدہ کو دیکھ کر پڑھی جانے والی دُعا کی برکتیں

ایک صاحب نے میری دعوت کی، باصرار لے گئے۔ ان دنوں جناب سید حبیب اللہ دمشقی جیلانی (علیہ رحمۃ اللہ الغنی) فقیر کے یہاں مقیم تھے، ان کی بھی دعوت تھی میرے ساتھ تشریف لے گئے۔ وہاں دعوت کا یہ سامان تھا کہ چند لوگ گائے کے کباب بنا رہے تھے اور حلوائی پُوریاں، یہ ہی کھانا تھا۔ سیّد صاحب نے مجھ سے فرمایا: "تُو گائے کے گوشت کا عادی نہیں اور یہاں کوئی اور چیز موجود نہیں بہتر کہ صاحب خانہ سے کہہ دیا جائے۔" میں نے کہا کہ "یہ میری عادت نہیں۔" وہی پُوریاں کباب کھائے۔ اُسی دن مسوڑھوں میں ورم ہوگیا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور مونھ بالکل بند ہوگیا۔ مشکل سے تھوڑا دودھ حلق سے اُتارتا، اور اسی پر اکتفا کرتا، بات بالکل نہ کرسکتا تھا یہاں تک کہ قراءت سرّیہ (یعنی آہستہ قراءت) بھی میسّر نہ تھی۔ سنّتیں بھی کسی کی اِقتدا کرکے ادا کرتا۔ اس وقت مذہب حنفی میں عدمِ جوازِ قراَءت خَلفَ الِامَام (یعنی امام کے پیچھے قراءت جائز نہ ہونے) کا یہ نفیس فائدہ مشاہدہ ہوا۔ جو کچھ کسی سے کہنا ہوتا لکھ دیتا، بخار بہت شدید تھا اور کان کے پیچھے گلٹیں۔ میرے منجھلے (یعنی مجھ سے چھوٹے) بھائی (مولانا حسن رضا خاں) مرحوم ایک طبیب کو لائے۔ ان دنوں بریلی میں مرضِ طاعون بشدت تھا۔ ان صاحب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا: "یہ وہی ہے! وہی ہے! وہی ہے! یعنی طاعون۔" میں بالکل کلام نہ کرسکتا تھا اس لیے انہیں جواب نہ دے سکا، حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں نہ مجھے طاعون ہے، نہ اِن شاء اللہ العزیز کبھی ہو گا، اس لیے کے میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دُعا پڑھ لی ہے جسے حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دُعا پڑھ لے گا اس بلا سے محفوظ رہے گا۔"

مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھی جانے والی دُعا

وہ دعا یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

یعنی تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے اس سے بچایا جس میں تُو مبتلا ہے اور مجھے اپنی مخلوق میں سے کثیر لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ت (جامع ترمذی، کتاب الدعوات باب مایقول اذارای مبتلی، الحدیث ۳۴۴۲، ج ۵، ص ۲۷۲)

(دورانِ کلام اس دُعا کی برکتیں بتاتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:) جن جن اَمراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اِسے پڑھا بحمدہٖ تعالیٰ آج تک اُن سب سے محفوظ ہوں اور بِعَونہٖ تعالیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد سے) ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ البتہ ایک بار اسے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں آشوبِ چشم اکثر ہوجاتا اور بوجہ حِدَّتِ مزاج (یعنی مزاج کی گرمی کی بنا پر) بہت تکلیف دیتا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر ہو گی کہ رامپور جاتے ہوئے ایک شخص کو رَمَدِ چشم (یعنی آنکھوں کی بیماری) میں مبتلا دیکھ کر یہ دُعا پڑھی۔ جب سے اب تک آشوب چشم پھر نہ ہوا۔ اُسی زمانے میں صرف دو مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک آنکھ کچھ دبتی معلوم ہوئی دو چار دن بعد وہ صاف ہو گئی۔ دوسری دبی پھر وہ بھی صاف ہوگئی مگر درد، کھٹک، سرخی کوئی تکلیف اصلاً کسی قسم کی نہیں۔ افسوس اس لیے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ سے حدیث ہے

کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ رکھو:

(۱) **زُکام:** کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

(۲) **کھجلی:** کہ اس سے امراضِ جلدیہ جُذام (یعنی کوڑھ) وغیرہ کا اِنسِداد ہو جاتا ہے (یعنی راستہ رُک جاتا ہے)۔

(۳) **آشوبِ چشم:** نابینائی (یعنی اندھے پن) کو دفع کرتا ہے۔

اُس دعا کی برکت سے یہ تو جاتا رہا، ایک اور مرض پیش آیا جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ میں بعض اہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ کامل باریک خط کی کتابیں شبانہ روز عَلَی الِاتّصال (یعنی مسلسل) دیکھنا ہوا۔ گرمی کا موسم تھا، دن کو اندر کے دالان میں کتاب دیکھتا اور لکھتا، اٹھائیسواں سال تھا، آنکھوں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک روز شدّتِ گرمی کے باعث دوپہر کو لکھتے لکھتے نہایا۔ سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دہنی آنکھ میں اتر آئی۔ بائیں آنکھ بند کر کے دہنی سے دیکھا تو وسطِ شے مَرْئی (یعنی نظر آنے والی چیز کے درمیان) میں ایک سیاہ حلقہ نظر آیا۔ اس کے نیچے شے کا جتنا حصہ ہوا وہ ناصاف اور دبا ہوا معلوم ہوتا۔ یہاں اس زمانے میں ایک ڈاکٹر علاجِ چشم میں بہت سربر آوَرْدَہ تھا۔ سینڈرسن یا انڈرسن کچھ ایسا ہی نام تھا۔ میرے استاذ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اِصرار فرمایا کہ اسے آنکھ دکھائی جائے۔ علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ ڈاکٹر نے اندھیرے کمرے میں صرف آنکھ پر روشنی ڈال کر آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا: ”کثرتِ کتاب بینی سے کچھ یَبُوسَت (یعنی خشکی) آ گئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھو۔“ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔ مولوی حکیم سید اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر طِبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے فرمایا: ”مقدمہ نُزولِ آب ہے (یعنی پانی اُترنے کے آثار ہیں) بیس برس بعد (خدانا کردہ) پانی اُتر آئے گا (یعنی موتیا کے مرض کی وجہ سے بینائی جاتی رہے گی)۔“ میں نے التِفات نہ کیا (یعنی توجہ نہ دی) اور نزولِ آب (یعنی موتیے کی بیماری) والے کو دیکھ کر وہی دُعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک پر مطمئن ہو گیا ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذِق (یعنی ماہر) طبیب کے سامنے ذکر ہوا، بغور دیکھ کر کہا چار برس بعد (خدانخواستہ) پانی اُتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب سے بالکل موافق آیا۔ انہوں نے بیس برس کہے تھے، انہوں نے سولہ برس بعد چار کہے۔ مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے مَعَاذَ اللہ متزلزل (یعنی کمزور) ہوتا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ بیس در کنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں، اور وہ حلقہ ذرہ بھر نہیں بڑھا۔ نہ بعَوْنِہٖ تعالیٰ بڑھے، نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ اِن شاءاللہ تعالیٰ کمی کروں۔ یہ میں نے اس لیے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائم وباقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور قیامت تک اہلِ ایمان مشاہدہ کریں گے، میں اگر اُنہی واقعات کو بیان کروں جو اِرشادات کے منافع میں نے خود اپنی ذات میں مشاہدہ کیے تو ایک دفتر ہو۔

(پھر فرمایا) مجھے ارشادِ حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے طاعون کبھی نہ ہو گا۔ آخر شب میں کَرب (یعنی درد) بڑھا، میرے دل نے درگاہِ الٰہی (عَزَّوَجَلَّ) میں عرض کی: ”اَللّٰھُمَّ صَدِّقِ الْحَبِیْبَ وَ کَذِّبِ الطَّبِیْبَ“ (یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے حبیب کا سچا اور طبیب کا جھوٹا ہونا ظاہر فرمادے۔ت) کسی نے میرے داہنے کان پر مونھ رکھ کر کہا مسواک اور سیاہ مرچیں۔ لوگ باری باری سے میرے لیے جاگتے۔ اس وقت جو شخص جاگ رہا تھا میں نے اِشارے سے اسے بلایا اور اسے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا۔ وہ مسواک تو سمجھ گئے، گول مرچ کس طرح سمجھیں غرض بمشکل سمجھے۔ جب یہ دونوں چیزیں آئیں بدِقّت (یعنی بمشکل) میں نے مسواک کے سہارے پر تھوڑا تھوڑا منہ کھولا اور دانتوں میں مسواک رکھ کر چھوڑ دی کہ دانتوں نے بند ہو کر دبالی۔ پسی ہوئی مرچیں اِسی راہ سے داڑھوں تک پہنچائیں تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک کلی خالِص خون کی آئی مگر کوئی تکلیف واذیت محسوس نہ ہوئی۔ اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی بِحَمْدِ اللہ تعالیٰ وہ گلٹیں جاتی رہیں مونھ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بِفَضْلِہٖ تعالیٰ دفع (یعنی دُور) ہو گیا، دو تین روز میں بِعَوْنِہٖ تعالیٰ بخار بھی جاتا رہا۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

دور و نزدیک سے

قارئینِ معارفِ رضا کے خطوط و ای میل اور خبریں

فضل احمد حبیبی عظیمی (گجرات، پاکستان)

جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب دامت برکاتہم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہ نامہ ''معارفِ رضا'' ماہ جولائی ۲۰۱۱ء موصول ہوا۔ ماہنامہ پر جس قدر اب توجہ دی جارہی ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ جلد اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ جناب پروفیسر دلاور خاں کا اداریہ ''سنّی صحافت کے عصری تقاضے'' نظروں سے گزرا۔ موصوف نے فکری جدت سے کام لیا ہے اور سنّی صحافت کے لیے موضوعات تجویز کیے جو قابلِ ستائش ہیں۔

اداریہ کے مطالعے کے دوران یہ احساس ہوا کہ اہلِ سنّت و الجماعت کے جتنے رسالے شائع ہورہے ہیں ان کی رہنمائی اور معاونت کے لیے ایک کمیٹی بنائی جائے، جو ان کو وقتاً فوقتاً تجاویز سے نوازے اور کوشش کی جائے کہ سال میں تمام کی ایک میٹنگ ہو جائے بصورتِ دیگر صوبہ وائز کمیٹیاں بنائی جائیں ان کا باہمی رابطہ رہے اسی طرح مدیران کے حوصلے بلند بھی ہوں گے اور ان کو فکری راہیں بھی ملتی رہیں گی۔

جناب پروفیسر صاحب نے حضرت داتا صاحب (حضرت علی ہجویری) بحیثیت ایک مفسر پر جو تبصرہ لکھا ہے اس میں جن گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے ان کو جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علما میں محققین پیدا فرمائے تاکہ قرآن کی تفسیر کی نئی جہتیں سامنے آئیں۔

سلیم اللہ جندران (منڈی بہاءالدین)

مکرم و معظم جناب پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس وقت آپ کا تحریر کردہ اداریہ: ''اپنی بات۔۔۔ جامعات کا نصاب اور تصانیفِ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ'' بابت ماہِ مئی ۲۰۱۰ء ماہنامہ ''معارفِ رضا'' (صفحات ۵ تا ۹) میرے مطالعے کی میز پر کھلا ہے۔ ماشاء اللہ! آپ کی خصوصی کوششوں سے شیخ زائد اسلامک سنٹر کراچی کے نصاب میں شامل مختلف کورسز میں امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے اہلِ سنّت کی جو کتب منظور کی گئی ہیں اس کی مکمل تفصیل اس اداریہ میں موجود ہے۔ کورس نمبر ۳۱۱، ۳۴۱، ۳۴۲، ۴۱۱، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۲۲، ۵۴۱، ۵۴۲، ۶۱۱، ۶۳۱، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۷ کے اندر جو کتبِ رضا و دیگر علما شامل ہوئی ہیں ان کے نام یہاں درج ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کا صدقہ اس کام کی آپ کو بھرپور جزاعطا فرمائے۔ تدریسِ رضویات کا یہ سفر رواں دواں اور روز افزوں رہے! متوقع ہے کہ آنے والے دور میں ''رضویات'' بطورِ اختیاری مضمون رائج ہوجائے! آپ نے اسی اداریے میں آگاہ فرمایا ہے کہ ''انشاء اللہ آئندہ شمارے میں ہم وفاقی اردو یونیورسٹی کے شعبۂ علومِ اسلامی کے نصاب میں شامل کی جانے والی کتبِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا و دیگر علمائے اہلِ سنّت کی تفصیل پیش کریں گے''۔ (ص:۸)

وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی کے شعبۂ علومِ اسلامی کے علاوہ وہاں شعبۂ تعلیم (ایجوکیشن) میں بھی رضویات کا کچھ انتخاب شامل ہے، بڑی نوازش ہوگی اگر آپ اس جامعہ کے مختلف کورسز میں رضویات کی شمولیت کی مکمل تفصیل بھی پیش فرمائیں یہ محققین اور نصاب ساز اداروں / کمیٹیوں کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ خدا تعالیٰ آپ کو اور ادارے کے تمام اراکین محترم کو درازیِ عمر، صحت مند، نیک زندگی سے نوازے۔ آمین!

محمد رمضان بلوچ (لاہور)

محترم صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری،
مدیر اعلیٰ "معارفِ رضا"
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید واثق ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔ محکمۂ او قاف ومذہبی امور، حکومت پنجاب کے قیام کا بنیادی مقصد دینِ اسلام کی ترویج واشاعت بالخصوص اولیاء اللہ کی تعلیمات کا فروغ اور ان کے ورثے کی حفاظت ہے۔ بر صغیر میں قافلۂ علم و حکمت کے سالارِ اعظم سیّدنا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر نور کے زیرِ سایہ قائم "مرکزِ معارفِ اولیاء" کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس تعلیمی، تحقیقی و اشاعتی ادارے میں حسبِ ذیل شعبہ جات بڑی تندہی سے سر گرم ہیں:

۱۔ جامعہ ہجویریہ
۲۔ میگزین سیکشن (سہ ماہی مجلّہ "معارفِ اولیاء")
۳۔ لائبریری

لائبریری مرکز معارفِ اولیاء داتا دربار کمپلیکس لاہور دینی، تاریخی، ثقافتی اور ادبی ورثہ پر مشتمل گیارہ ہزار سے زائد ذخیرۂ کتب کی حامل، شاندار بلڈنگ، بہترین فرنیچر اور سازوسامان سے آراستہ ایک پُر شکوہ، جاذب نظر، فعال اور ترقی پزیر ایک ماڈل لائبریری ہے جس سے روزانہ دینی، علمی، ادبی، معلوماتی، تحقیقی اور حوالہ جاتی کتب سے قارئین کی ایک خاصی تعداد استفادہ کرتی ہے۔ مختلف ادارہ جات اور مکاتبِ فکر کی جانب سے ہر ماہ لائبریریِ ھٰذا میں کئی رسائل وجرائد اعزازی طور پر بھجوائے جاتے ہیں جن سے قارئین بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ آپ کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے تحقیقی مجلّہ / رسالہ معارفِ رضا کی اعزازی کاپی لائبریریِ ھٰذا میں موصول ہوتی رہی ہے، لیکن اب کچھ عرصہ سے آپ کے مجلّہ / رسالہ کی اعزازی کاپی باقاعدگی سے موصول نہیں ہو رہی ہے، جس کی قارئین شدت سے کمی محسوس کرتے ہیں۔ براہِ کرم اپنے مؤقر جریدے کی اعزازی کاپی جاری فرمادیں تاکہ حسبِ سابق ہمارے قارئین اس سے استفادہ کر سکیں۔ محکمۂ مذہبی امور واوقاف پنجاب آپ کے اس علمی تعاون کا ممنون ہو گا۔

برقی خطوط (ای میل)

امتیاز احمد (اسسٹنٹ پروفیسر، علی گڑھ یونیورسٹی، انڈیا)

السلام علیکم، جناب معارفِ رضا میں شبیر احمد غوری صاحب کا سیّد سلیمان اشرف پر ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اگر اس کی ایک سافٹ کاپی عنایت کریں تو آپ کی مہربانی ہو گی۔ (ای میل بخط رومن)

شیخ مقصود (ممبئی، انڈیا)

سلام، ماشاء اللہ آپ کی ویب سائٹ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ یقیناً عاشقِ صادق امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کا امّتِ مسلمہ پر جس قدر احسان ہے، ہم اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں؛ لیکن کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ان کے افکار کو عام کیا جائے، ان کے مشن کو جہاں بھر میں پھیلایا جائے جیسا کہ ماہر رضویات ڈاکٹر مسعود احمد نے کیا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، اہلسنّت میں اتحاد و اتفاق پیدا فرمائے۔ (ای میل بخط رومن)

ذکاءاللہ قادری (لاہور، پاکستان)

AsslamoAlaikum, I really appreciate your efforts for a noble cause. I'm a Computer / IT Professional based in Lahore city, working in a private company but I can also offer myself to serve your institute. Jazzak Allah. (ای میل)

محمد کاشف اقبال (گجرات، پاکستان)

Asslam o alaikum, First of all we are all Sunni Muslims thankful to Idara-e-Tehqiqat Imam Ahmad Raza and to all its management that they are doing great research work on Razwiyat. Dear, we have the list of publications of Idara but we don't know about all publications' prices. So please tell us your new content of your publications and prices of those publications and we also request you send us all list of journals which have been published through out the world till now (Sunni journals either of other religions). (World Islamic Organization) (ای میل)

عبدالغفار قادری (کلیان،مہاراشٹر، انڈیا)

السلام علیکم،

اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ قدیم جلد ۱۱صفحہ ۳۳ پر امام احمد بن حنبل کی شان میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "جعلنٰك ربع الإسلام (ہم نے تمھیں اسلام کا چہارم کیا)۔"امام نے "الاشرات فی علم العبادات" از ابن شاہین سے لیا تھا۔ فتاویٰ قدیم اور جدید دونوں میں اس کا حوالہ نہیں ہے۔(ای میل بخط رومن)

ویب سائٹ کی خبریں

رواں ماہ پاکستان ،انڈیا،امریکہ،برطانیہ،ماریشس،سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، جرمنی، بنگلہ دیش، کویت، قطر، یمن، ترکی، کینیڈا، جنوبی افریقہ، اسپین، آسٹریلیا، ملائشیا، فلپائن، ڈنمارک، سنگاپور، ہالینڈ، سری لنکا، سربیا، جاپان، آئرلینڈ، چین وغیرہ ممالک کے ۱۰۱سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی ویب سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔

ادارے کی لائبریری میں موصول ہونے والے جرائد

ماہنامہ "مرآۃ العارفین" لاہور، ماہنامہ "لانبی بعدی" لاہور، ماہنامہ "دی منارٹ" کراچی (انگریزی)، ماہنامہ "الہام" بہاولپور، ماہنامہ "سوئے حجاز" لاہور، ماہنامہ "السعید" ملتان، ماہنامہ "مصلح الدین" کراچی، ماہنامہ "زاویۂ نگاہ" کراچی، ماہنامہ "آستانہ" کراچی، ماہنامہ "نورالحبیب" بصیر پور، ماہنامہ "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ (محدث اعظم نمبر)، ماہنامہ "اہلسنت" گجرات، ماہنامہ "پیام" اسلام آباد، ماہنامہ "جلالیہ" بھکھی شریف، ماہنامہ "اعلیٰ حضرت" بریلی شریف، ماہنامہ "فیض عالم" بہاولپور، ماہنامہ "خبر نامۂ ہمدرد" کراچی، ماہنامہ "عقیدت" حیدرآباد، ماہنامہ "المظہر" کراچی اور ماہنامہ "تحفظ" کراچی۔

رضویات کے حوالے سے جرائد ورسائل میں شائع ہونے والے مقالات

(۱) عقیل احمد، "خلفائے اعلیٰ حضرت اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی"، ماہنامہ لانبی بعدی، شمارہ۷، جلد۱۳، جولائی ۲۰۱۱ء، لاہور۔
(۲) محمد حسن علی رضوی، "عکس آئینۂ حیاتِ محدث اعظم"، ماہنامہ الہام، شمارہ۷، جلد۲۷، جولائی ۲۰۱۱ء، بہاولپور۔
(۳) محمد حسن علی رضوی، "محدث اعظم پاکستان" ماہنامہ مصلح الدین، شمارہ۷، جلد۱۰، جولائی ۲۰۱۱ء، کراچی۔
(۴) پروفیسر کمال بٹؒ، "حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی کا اندازِ فکر" ماہنامہ آستانہ، شمارہ۶، جلد۲۰، جون ۲۰۱۱ء، کراچی، ص۱۸ تا ۲۴۔
(۵) محمد یوسف امجدی، "سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کے پانچ محسنین" ماہنامہ کنزالایمان، شمارہ۷، جلد۱۴، جولائی ۲۰۱۱ء دہلی، ص۲۹ تا ۳۶۔

ادارے میں موصول ہونے والے رسائل وکتب

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف\مرتب\مترجم	صفحات	ناشر
۱	Dua: The Brain of Worship	Maulana Naqi Ali Khan	۱۸۴	امام احمد رضا اکیڈمی، افریقہ
۲	Destination Paradise	Shah Al-e Rasool Nazmi	۲۶۴	امام احمد رضا اکیڈمی، افریقہ
۳	الاجهاز علی منكري المجاز	عیسیٰ بن عبد اللہ مانع الحمیری	۳۰۰	دار التمام، بیروت
۴	تصحيح المفاهيم العقدية	عیسیٰ بن عبد اللہ مانع الحمیری	۴۵۵	دار الاخباب، بیروت
۵	علامہ سید شاہ تراب الحق قادری: شخصیت وکردار	مولانا محمد شہزاد قادری ترابی	۱۷۶	مکتبۂ فیضانِ اشرف، کراچی
۶	ابحاث ضروری مع جواب الجواب رسالہ شکوک کفارہ	حافظ ولی اللہ لاہوری	۹۶	درالاسلام، لاہور
۷	الفرح الكامل على شرح مئة عامل	ابو القاہر جرجانی؛ شارح: جامی	۱۴۴	مکتبۃ المدینہ، کراچی

محترم قارئین! ماہنامہ معارفِ رضا اپنی ارتقائی منزل کی طرف گامزن ہے اس کا معیار بلند کرنے اور اس میں بہتری کی کافی گنجائش موجود ہے جس میں آپ کی تعمیری اور مخلصانہ تجاویز ہماری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔ اسی مقصد کے لیے یہ جائزہ فارم شائع کیا جارہا ہے۔ اس کی فوٹو کاپی کرا کے کسی عنوان پر اپنی قیمتی آراء درج کرنے کے بعد ہمیں ارسال فرمائیں۔ اسی طرح اداریہ، تبصرۂ کتب اور دیگر امور پر رسالے کی مجموعی بہتری کے لیے اپنی تجاویز سے آگاہ فرمائیں۔ شکریہ۔ (دلاور خاں)

عنوان: ____________________

مضمون / مقالہ نگار: ____________ ماہ: ____________ سن: ____________

تمہید

خوبیاں: ____________________

خامیاں: ____________________

اصلاحی تجاویز: ____________________

صحتِ متن

خوبیاں: ____________________

خامیاں: ____________________

اصلاحی تجاویز: ____________________

رموز واوقاف

خوبیاں: ____________________

خامیاں: ____________________

اصلاحی تجاویز: ____________________

اقتباس

خوبیاں: ____________________

خامیاں: ____________________

اصلاحی تجاویز: ____________________

حوالہ جات

خوبیاں: ____________________

خامیاں: ____________________

اصلاحی تجاویز: ____________________

مجموعی تاثرات

____

____

جائزہ کار کا نام: ____________ فون نمبر: ____________ شہر: ____________ دستخط: ____________